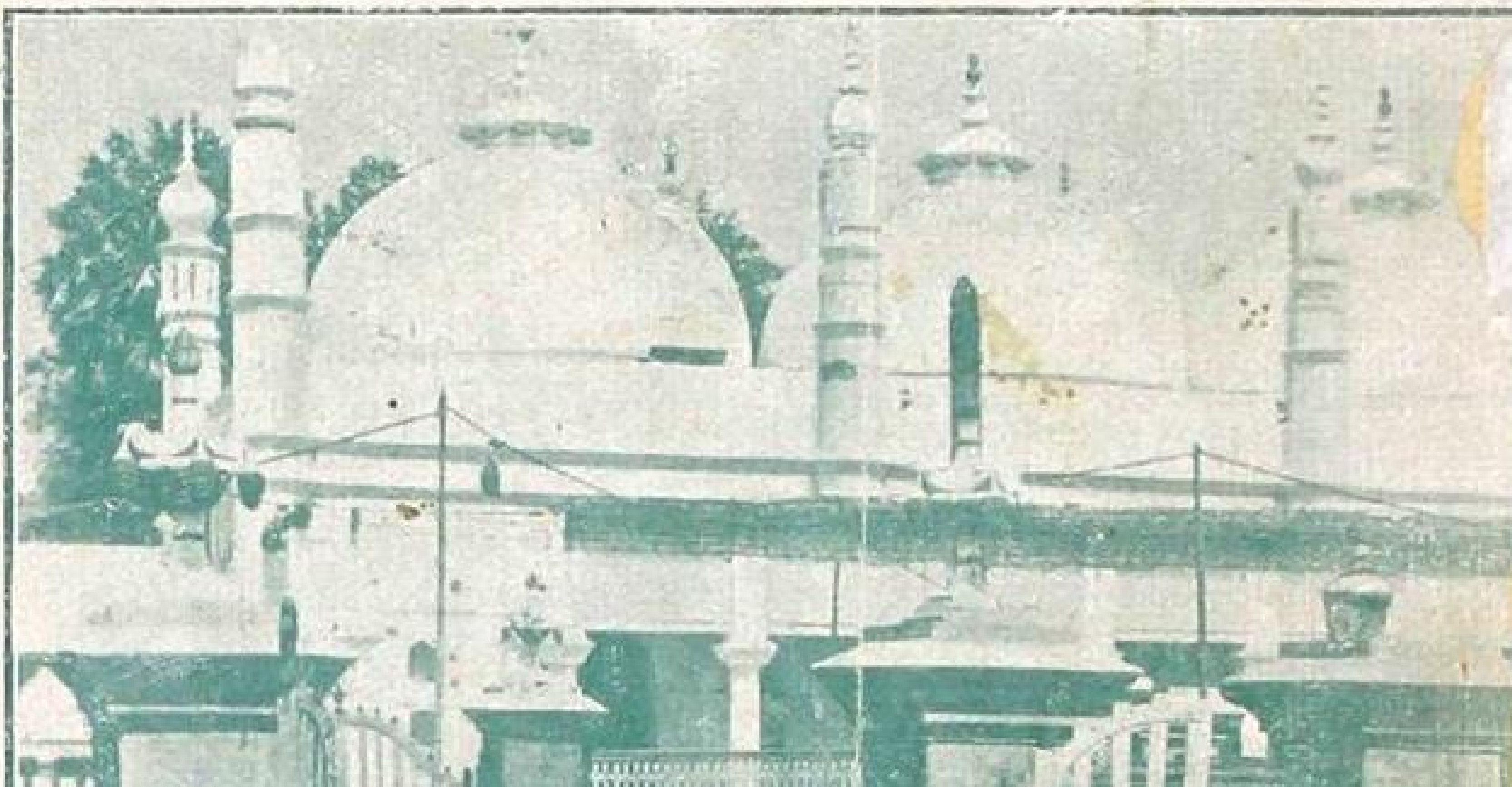


روضہ اقدس حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہار شریف

مرتبہ :—

رشید احمد بہاری

مخدوم الملک

یعنی

مختصر حالات زندگی مخدوم جہاں شیخ المشائخ مخدوم الملک
حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہاری قدس اللہ سرہ العزیز

مرتبہ
رشید احمد بہاری پروپرائٹر رشید اینڈ کمپنی
اوپٹیشن اینڈ واچ ڈیلرس
بہار شریف

۱۹۳۶ء مطبوعہ برقی مشین پریس مراد پور بانکی پور پٹنہ ۱۳۵۵ھ

اول بار ۲۰۰۰ جملہ حقوق محفوظ قیمت ۴ر

انتساب

نہایت عقیدت کے ساتھ یہ مختصر سا رسالہ حضرت

مخدوم الملک کے

موجودہ سجادہ نشین جناب سیّد شاہ

محمد سجاد صاحب قبلہ مدظلہ

کے نامِ نامی و اسمِ گرامی کے ساتھ معنون کیا جاتا ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف

گذارش

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید

۵؍ شوال کو ہر سال ہزارہا بندگان خدا مخدوم الملک مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ مبارک پر آکر فاتحہ خواں ہوتے ہیں۔ جن میں اکثر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مخدوم قدس سرہٗ کی کب ولادت ہوئی اور کب وفات ہوئی، اور نہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے جوہر کمال کیا کیا ہیں، اور آپ میں کون سی خوبی تھی جس کا اب تک یہ اثر باقی ہے کہ ۶۹ برس گذر جانے کے بعد بھی پروانہ وار لوگ ہر سال عرس کے موقع پر جوق جوق بہار شریف آیا کرتے ہیں۔ بندہ نے سیرۃ الشرف، وسیلہ الشرف و ترجمہ مکتوبات صدی اور حیات ثبات (غیر مطبوعہ) سے استفادہ کرکے مختصر الفاظ میں حضرت مخدوم کی زندگی کا خاکہ تیار کیا۔ تاکہ کم بضاعت لوگ جو بڑی بڑی کتابیں خریدنے سے مجبور ہیں وہ بھی مخدوم جہاں کے حالات زندگی سے بآسانی واقف ہوسکیں۔ اس رسالہ کا نام مخدوم قدس سرہ کے خطاب پر مخدوم الملک رکھا

اس سے قبل بھی ایک رسالہ شرفا بہاری ہدیہ ناظرین کیا تھا، مگر اس کی چھپائی اس درجہ خراب ہوگئی تھی کہ اکثر جگہ خود مجھ ہی سے پڑھا نہ گیا علاوہ اسکے مخدوم قدس سرہٗ کا ازدواجی واقعہ اُس میں غلط مرقوم ہوگیا تھا۔ الحمدللہ اب جبکہ "سیرۃ الشرف" نے ہماری آنکھیں کھولدیں، صحیح واقعہ اس رسالہ میں درج کیا ہے۔

بیحد شکریہ جناب حکیم سید شاہ محمد الیاس صاحب یاسؔ بہاری کا جنہوں نے حقیر کے التماس پر عرس نامہ مخدوم الملک مرتب کرکے عنایت فرمایا جو بجنسہ اس رسالہ کے آخر میں درج ہے۔

امید کہ اس رسالہ کے پڑھنے والے بندہ کو بھی دعاء خیر سے یاد فرمائیں گے۔

رشید احمد، بہاری

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایدل غلام شاہ جہان باش و شاہ باش — پیوستہ در حمایت لطف اِلٰہ باش

چوں احمدم شفیع بود روز رستخیز — گو ایں تن بلا کش من پُر گناہ باش

حافظ طریق بندگی شاہ پیشہ کن

وانگاہ در طریق چو مردان راہ باش

احمد نام شرف الدین لقب۔ مخدوم الملک سلطان المحققین خطاب ۶۶۱ھ شعبان کے آخری جمعہ کو اپنے آبائی مکان واقع قصبہ منیر میں پیدا ہوئے (منیر بہار سے ۶۰ میل پچھم واقع ہے) حضرت مخدوم کے جد اعلیٰ حضرت امام محمد تاج فقیہ جو شہر بیت المقدس محلہ قدس خلیل کے رہنے والے تھے بموجب بشارت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۶ھ ہندوستان آکر اس قصبہ میں سکونت گزیں ہوئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اپنی اولاد کو یہاں چھوڑ کر بیت المقدس واپس ہو گئے۔ اُس زمانہ میں جبکہ مخدوم پیدا ہوئے۔ سلطان ناصر الدین محمود دہلی کی سلطنت پر حکومت کرتا تھا۔ یہ وہی فقیردں متقی

بادشاہ تھا، جسکی بسر اوقات قران شریف کی کتابت پر تھی۔

غرض مخدوم کی پیدائش بھی ایک باخدا بادشاہ کے زمانہ میں ہوئی مخدوم کے پدری و مادری دونوں خاندان صاحب طریقت تھے۔ پدری خاندان کا سلسلہ حضرت عبدالمطلب جدامجد حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ قریشی ہاشمی شیخ ہیں۔ لیکن مادری خاندان کی وجہ سے آپ کو شرف سیادت بھی حاصل ہے۔ آپکے والد حضرت مخدوم شیخ یحیٰی منیریؒ نہایت متقی و ولی کامل تھے۔ آپ کی ماں حضرت بی بی رضیہ بھی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ آپ چار بھائی تھے۔ شیخ جلیل الدینؒ، شیخ شرف الدین احمدؒ شیخ خلیل الدینؒ۔ شیخ حبیب الدینؒ۔

جب مخدوم سن رشد کو پہونچے۔ مکتب میں بیٹھے۔ اور رواج زمانہ کے موافق تعلیم شروع ہوئی۔ مگر ابتدائی استاد آپ کے کون تھے۔ اس کا پتہ نہیں ملتا۔ بعد کو آپنے مولانا شرف الدین ابوتوامہ سے علم حاصل کیا۔ اس وقت مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ بوجہ کمال علم وفضل کے دلی میں مرجع طلاب ہند ہو رہے تھے۔ ان کا چشمہ فیض ایسے زوروں پر تھا کہ دور دور شہروں کے طلبا، گروہ گروہ ان کے پاس آتے اور سیراب ہوتے مستفیدوں اور مریدوں کے مجمع اور متعلمین اور علمائے دین کے ہجوم سے سلطان کے دل میں مولانا کی جانب سے انتزاع سلطنت کا خوف پیدا ہوا۔ کم بینوں اور نااہلوں کی سخن چینیوں نے سلطان کو مولانا کے اخراج پر

مجبور کیا۔ آخر سلطان نے بعض حیلوں سے مولانا کو بنگالہ کی جانب جانے کا حکم دیا مولانا نے طوعاً وکرہاً حکم سلطان کو مان لیا۔ اور دلی سے اپنے اہل وعیال کو ہمراہ لیکر شہر سنار گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر سنار گاؤں مسلمانوں کے زمانہ میں مشرقی بنگالہ کا دارالحکومت تھا۔ لیکن اب یہ ایک بالکل ہی ناپرسان جگہ ہے اور ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے۔ ۶۶۷ھ میں مولانا شرف الدین ابو توامہ دلی سے سنار گاؤں جاتے ہوئے منیر میں ٹھہرے۔ حضرت شیخ یحییٰؒ یعنی حضرت مخدوم کے والد بزرگوار نے مولانا کی خوب خوب مداراتیں کیں۔ آپ کی مہمان نوازی سے علامہ شرف الدین ابو توامہ تین برس تک منیر میں ٹھہر گئے (بعض کا بیان ہے کہ علامہ ابو توامہ حضرت مخدوم کے نانا قاضی شہاب الدینؒ الملقب بہ پیر جگ جوتؒ (جن کا مزار جھٹلی میں ہے) کے خاص برادری میں تھے۔ اور جس زمانہ میں علامہ منیر پہنچے اسی زمانہ میں حضرت پیر جگ جوت کا انتقال ہوا تھا۔ سرے راہے جب یہ خبر علامہ کو ملی آپ منیر پہنچے اور اسی برادری کے سبب سے آپ تین برس تک مع اہل وعیال منیر میں مقیم رہ گئے، چنانچہ یہ بھی بیان کیا ہے۔ کہ اسی اثنار میں علامہ کو ایک لڑکی تولد ہوئی، جس سے عورتوں نے حضرت مخدوم کو منسوب کردیا۔ اور آخر یہی ہو کر رہا) مخدوم یحییٰؒ نے مولانا کو ہر علم میں کامل ہر فن میں ماہر پایا اور ان کی لیاقت علمی کے قائل ہو گئے۔ جب ۶۷۱ھ میں مولانا منیر سے روانہ ہونے لگے تو مخدوم یحییٰؒ نے اپنے ہونہار فرزند شیخ

شرف الدین احمد کو بغرض تعلیم و تربیت مولانا کے سپرد کر دیا۔ مولانا نے بھی اک جوہر قابل پاکر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور آغوش محبت میں لیکر اپنے ساتھ سنار گاؤں لے گئے۔ آپ سنار گاؤں پہونچکر تعلیم میں مشغول ہوئے۔ مخدوم کے شوق کا یہ حال تھا کہ اس زمانہ میں گھر سے جو خطوط جاتے تھے وہ کھلنے نہ پاتے تھے کہ مبادا کوئی خبر متوحش ہو جو خیالات کو منتشر کردے۔ جتنے خطوط تحصیل علم کے زمانہ میں پہونچے نذر خریطہ ہوئے۔ مخدوم نے ایک زمانہ دراز تک مولانا شرف الدین ابوتوامہ کی صحبت میں تفسیر، فقہ، حدیث، اصول، کلام، منطق فلسفہ، ریاضیات اور تمام علوم متعارفہ کی تحصیل کی۔

تعلیم ہی کے زمانہ میں استاد نے اپنی لڑکی کو مخدوم کے ساتھ منسوب کرنا چاہا تھا۔ مگر مخدوم نے تحصیل علوم میں غایت انہماک کی وجہ سے انکار کیا تھا۔ لیکن مشیت ایزدی نے یہ حیلہ کیا کہ آپ ایک سخت مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اطبا کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ سوائے ازدواج کے دوسرا علاج نہیں ناچار اس طور سے زمانہ درس ہی میں ادائے سنت ہوئی۔ اور استاد کی خواہش پوری ہوئی۔ یعنی مولانا نے اپنی صاحبزادی کو حضرت مخدوم کی عروسی میں دیا۔ اس کتخدائی سے مخدوم کے تین اولاد ہوئیں جن میں سے ایک مخدوم زادہ شاہ ذکی الدین زندہ رہے (آپ کا مزار مبارک ضلع بیر بھوم موضع سکڈھا عرف مخدوم نگر میں ہے اور زیارت گاہ

خاص و عام ہے)، باقی دو آیام طفولیت ہی میں قبل آنے منیر کے سنار گاؤں میں انتقال کر گئے۔ اور اپنی ماں کے ساتھ زمین بنگالہ کی آغوش میں جا لیٹے۔

بعد فراغ کے مخدوم نے خطوں کا خریطہ کھولا۔ پہلا خط جو کھولا۔ خبر انتقال شیخ یحییٰؒ منیری پدر حضرت مخدوم کی تھی۔ حضرت شیخ یحییٰؒ منیری نے بتاریخ یازدہم شعبان ۶۹۰ھ انتقال فرمایا۔ مخدوم کو باپ کی خبر انتقال سے ماں کا خیال آیا۔ محبت فرزندی نے جوش مارا۔ مولانا شرف الدین ابو توامہ سے رخصت چاہی۔ مولانا نے بھی مخدوم کی حالت پر خیال فرماکر بہ طیب خاطر اجازت دی۔ مخدوم مع مخدوم زادہ شاہ ذکی الدین، وطن کی جانب روانہ ہوئے۔ وطن پہونچکر ماں سے ملے۔ ماں اور بیٹے دونوں کو خوشی ہوئی۔ تھوڑے دنوں تک ماں کے دامن شفقت میں بہ تمام راحت و آسائش بسر کی۔ مگر آتش عشق الٰہی جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی یکایک بھڑک اٹھی اور وہ جذبہ حق جو ریاضات اور مجاہدات کے ذریعہ سے برسوں سے تکمیل پذیر ہو رہا تھا متحرک ہوا۔

مخدوم نے اپنے صاحبزادہ شاہ ذکی الدین کا ہاتھ اپنی مادر مہربان کے ہاتھ میں دیا۔ اور فرمایا کہ ذکی الدین کو شرف الدین کی جگہ پر سمجھیے اور شرف الدین کو اللہ کی راہ میں آزاد فرمائیے۔ آپکی والدہ خود باخدا و خدا رسیدہ تھیں۔ الحمد اللہ کہا اور بیٹے کو خوش خوش اللہ کی راہ میں چھوڑا۔

حضرت مخدوم قدس سرہ وطن سے نکل کر دہلی پہونچے۔ آپکے بڑے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ہمراہ تھے۔ دہلی پہونچکر مشایخ دہلی سے ملے۔ علمائے دہلی کی صحبتوں اور درس میں شریک ہوئے۔ ان کے حالات خوب خوب دریافت کئے۔ مگر اکثر مشائخ سے مل کر آپ بہت محظوظ نہ ہوئے مشاہیر دہلی سے ملنے کے بعد حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کے یہاں جو اس وقت میں قطب دہلی تھے۔ حصول بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے اس وقت شیخ کی مجلس میں کچھ تذکرہ علمی تھا مخدوم بھی اس میں شریک ہوئے اور تقریر پسندیدہ کی۔ شیخ نے آپ کا اعزاز و اکرام کیا۔ مگر یہ کہکر کہ "سیمرغیست نصیب دام ما نیست" بیعت نہیں لی۔ اور ایک بیڑا پان کا دیکر رخصت کیا۔ مخدوم دل برداشتہ پانی پت آئے اور حضرت شرف الدین پانی پتی سے ملے اور یہ فرمایا کہ شیخ رسیدہ ہے مگر مغلوب الحال ہے۔ دوسرے کی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، آپکے بڑے بھائی شیخ جلیل الدین نے جو آپ کے ہمراہ تھے۔ پھر دہلی لوٹ چلنے اور شیخ نجیب الدین فردوسیؒ سے ملنے پر اصرار کیا۔ مخدوم نے فرمایا کہ جو قطب دہلی تھا۔ اس نے تو مجھے لوٹا دیا۔ اب ان سے ملنے کا کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔ جب بڑے بھائی بہت مُصر ہوئے تو شیخ سے ملنے کی نیت سے چلے۔ شیخ کے مکان کے قریب پہونچکر آپ پر

ایک دہشت طاری ہوئی، آپ نہایت متردد ہوئے۔ کہ یہ نئی بات کیوں پیدا ہوئی۔

جب مخدوم صاحب حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کے سامنے پہنچے دہشت کے مارے پسینہ پسینہ تھے۔ بعد سلام علیک کے بیٹھ گئے اور بعیت کے ملتجی ہوئے۔ شیخ نے بعیت لی اور اجازت نامہ لاکر دیا۔ مخدوم نے عرض کی کہ میں نے تو ابھی شیخ کی خدمت تک نہیں کی ہے۔ اور نہ روش طریقت سیکھی ہے بجاآوری حکم کی کیونکر ممکن ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ بارہ برس قبل میں نے بحکم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اجازت نامہ تمہارے لئے لکھ کر رکھا تھا۔ تم کو اس کا اندیشہ نہیں کرنا چاہئے۔ مشکوٰۃ نبوت سے تمہاری تعلیم ہوگی۔ اور پیروں کی ولایت حامی رہے گی۔ پھر طریقت کی روش تلقین فرمائی۔ اور چند نصیحتیں لکھکر مخدوم کو دیں۔ اور رخصت کیا اور فرمایا کہ اگر راہ میں تم کو کوئی خبر ملے تو نہ لوٹنا۔ مخدوم دو ہی تین منزل گئے ہوں گے کہ شیخ نجیب الدین فردوسی کی وفات کی خبر ملی۔ آپ لوٹے نہیں۔ حسب الحکم شیخ وطن کی جانب جارہے تھے مگر مست و مخمور، آپ فرماتے ہیں کہ "من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد" جنگل بہیا پہونچتے ہی یارائے ضبط و اختیار باقی نہ رہا، مور کی چنگھاڑ

سے دل میں ہوک اٹھی۔ گریبان چاک جنگل کی راہ لی۔ وہ اللہ کا شیدائی، خدائی مجنون تلاش یار میں نکلا، شجر و حجر میں جمال یار کا مشاہدہ تھا۔ اور بن بن میں خیال دلدار کا جلوہ، بھائی نے جو ہمراہ و رفیق تھے۔ بہت ڈھونڈھا۔ کچھ پتہ نہ ملا مجبوراً فی امان اللہ کہہ کر وطن کو لوٹ آئے اور خرقہ و شجرہ اور دوسرے تبرکات جو شیخ نجیب الدین فردوسی نے مخدوم کو دیئے تھے، ماں کے حوالہ کئے (یہ واقعہ ۶۹۱ھ کا ہے)۔

صاحب مناقب الاصفیاء فرماتے ہیں کہ مخدوم بارہ برس بہیا کے جنگل میں رہے۔ اس کے بعد راجگیر کے جنگل اور دوسرے جنگلوں میں بسر کی، اس زمانے کے حالات ملنے قریب قریب ناممکن ہیں۔ البتہ چندہ روایتیں جو مخدوم نے کسی مجلس میں بیان فرمائیں۔ یا کسی دوسرے صحرانورد، بادیہ گرد نے بیان کیں یا اتفاقی کسی مسافر نے دیکھ لیا جیسے ایک بار بہیا کے جنگل میں جگدیس پور کے زمیندار کا گذر ہوا اس نے دیکھا کہ آپ ایک درخت میں ہاتھ لگائے متحیر کھڑے ہیں۔ چونٹیاں حلق کے اندر آتی جاتی ہیں۔ اور آپ کو اس حال کی خبر نہیں۔ پہلے تو زمیندار نے آپ کو مردہ تصور کیا۔ لیکن جب ناک پر ہاتھ رکھکر تمیز کیا تو سانس چلتی تھی۔ وہاں سے

اٹھا کر اپنے مکان لایا۔ اور ہر طرح پر تیمار داری کی۔ جب آپ کو افاقہ
ہوا۔ آپ وہاں سے رخصت ہوئے۔ وہ زمیندار پہونچانے ساتھ چلا
آپ ہر منزل میں کہتے کہ مہربان بس یہاں سے پھر جاؤ۔ وہ کہتا تھا کہ
ہم آخر منزل تک پہونچائیں گے۔ القصہ جب موضع سردھا میں
پہونچے آپ نے فرمایا بس یہاں سے گھر پھر جاؤ کہ یہاں سے میرے
فرزندوں کا حق ہے، الغرض آپ نے اُسکو وہاں سے پھرا دیا۔ آپکی
دعا سے وہاں تک اس زمیندار کی عملداری ہو گئی۔ اور جگدیس پور
اور ڈمراؤں کے راجہ اور بابو اسی زمیندار کی اولاد سے ہیں
کہتے ہیں کہ وہ لوگ اس واقعہ کے معترف ہیں۔

راجگیر کا جنگل

اس کے بہت عرصہ بعد آپ راجگیر آئے۔ راجگیر کا نام مخدوم کے
ساتھ اس بادیہ گردی کے زمانہ میں بالخصوص لیا جاتا ہے۔ اس کی
وجہ اول تو یہ ہے کہ مخدوم کے ریاضات و مجاہدات کے آثار اب تک
وہاں موجود ہیں جیسے مخدوم کا حجرہ، مخدوم کنڈ اور مخدوم کا چلہ وغیرہ
دوسرے یہ کہ اسی جنگل سے نکل کر آپنے بہار میں سکونت اختیار کی
اور پتہ چلتا ہے کہ پھر سکونت پذیر ہونے کے بعد بھی مخدوم اکثر اُدھر
نکل جاتے تھے۔ اگرچہ راجگیر میں اب وہ پہلا سا جنگل تو رہا نہیں
تاہم اب تک بہت کچھ ہے۔ یہاں کا پہاڑ بلندی میں گو ہزار فیٹ

سے زیادہ نہیں ہے مگر چونکہ یہ ہر فرقہ و ملت کے تارک الدنیا لوگوں کا گوشہ عزلت رہا ہے۔ گوتم بدھا جو بودھ مذہب کا بانی تھا۔ اسی نے برسوں یہیں بیٹھ کر دھیان جمایا ہے۔ اور اس کے بہت سے مقامات یہیں سے طے ہوئے ہیں۔ ہندو جوگیوں کا بھی یہ زاویہ عبادت رہا ہے۔ جین مذہب کے فقراء بھی یہاں مقیم رہے۔ اسلیئے اس وقت بھی یہ مسلمان اور ہندو فقراء کا گوشہ عزلت ہے۔ فطری طور سے یہ جگہ یاد خدا کے لئے نہایت موزوں ہے چوں کہ دامن کوہ میں جنگل واقع ہے تنہائی اور سکون کا مقام، چشمہ آب گرم، یعنی خداداد حمام جس سے غسل و وضو کا آرام آپ کو بھی یہ جگہ پسند آئی۔ اور یہاں آپ یاد خدا میں مشغول ہوئے۔ جس زمانہ میں مخدوم یہاں خدا کی یاد میں مشغول تھے۔ ہندو فقرا بھی ادھر ادھر پہاڑ کے کھوہوں میں اپنی اپنی دھونیاں رمائے پڑے تھے۔ چنانچہ مناقب الاصفیاء میں روایت ہے کہ راجگیر میں ایک جوگی مخدوم سے ملا اور اس نے اپنی زبان میں یہ سوال کیا۔ کہ "سدھا را چوں لبشناسند" سدھا جوگیوں۔ کی اصطلاح میں مرد کامل کو کہتے ہیں۔ مخدوم نے جواب دیا کہ اگر اُو ایں جنگل را بگوید کہ زر شو۔ زر شود فوراً وہ جنگل زر ہو گیا۔ آپ نے جنگل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ "تو برجائے خویش باش من حکایت می کنم"

مخدوم کا حجرہ پہاڑ کے دامن میں ایک گرم جھرنے کے قریب صانع قدرت نے اپنے ہاتھوں اس طرح بنایا ہے کہ چاروں طرف سے بڑے بڑے پتھر دیوار کی صورت میں آکر مل گئے ہیں۔ اور اوپر بھی ایک مستطیل پتھر رکھا ہوا ہے۔ جو چھت کا کام دیتا ہے۔ اسکی سنگی دیواریں اس طور سے واقع ہوئی ہیں کہ ایک چھوٹا سا دروازہ بھی آمدرفت کے لئے پیدا ہوگیا ہے۔ صانع قدرت نے یہ تماشا بھی دکھایا ہے کہ پورب کی جانب ایک دریچہ پیدا ہوگیا ہے جس سے شعاع آفتاب پورے طور سے اندر آتی ہے اور حجرہ کو کافی روشن رکھتی ہے۔ یہ کل دیواریں اور چھت ایسے بوجھل پتھروں سے بنی ہیں کہ ان کو ہٹانا قوت بشری سے محال ہے۔ ۱۱۵۴ھ میں چار صدیوں کے بعد قدرتی حجرہ سے ملحق دروازہ کی جانب ایک چھوٹی سی کوٹھری پختہ بنادی گئی ہے۔ یہ حجرہ آج تک بڑے عقیدت سے زیارت گہ خاص و عام ہے۔

الغرض مخدوم نے ایسی ہی جگہوں میں عمر کا معتدبہ حصہ ریاضات و مجاہدات میں بسر کیا، جتنے ارباب تصوف اوس وقت میں موجود تھے آپ کو کسی کی خدمت میں جانے کی ضرورت نہ پڑی، آپ کی تربیت روح نبوی صلعم سے ہوئی اور اس طرح سے پیر کے کلام کی تصدیق بھی ہوگئی سالہا سال کی ریاضات و مجاہدات کے بعد لوگ جنگلوں

ہیں مخدوم سے ملنے لگے۔ حضرت محبوب آلٰہی سلطان نظام الدین اولیا رح کے اکثر مریدان اس زمانہ میں بوجہ تعلقات سلطانی بہار شریف میں سکونت پذیر تھے۔ ان کو جب لوگوں سے مخدوم کی ملاقات کی خبر ملی تو وہ اکثر مخدوم کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل جاتے اور آپ کی صحبت سے مشرف ہوتے۔ ان میں مولانا نظام مولا سب سے زیادہ طالب صادق تھے مخدوم نے جب ان لوگوں کو طالب صادق پایا تو اس پر راضی ہوئے کہ ہر جمعہ کو جامع مسجد بہار شریف میں تشریف لائیں، زمانہ تک یہی معمول رہا کہ ہر جمعہ کو جامع مسجد بہار شریف میں تشریف لاتے اور اپنی صحبت بابرکت سے طالبین کو مستفید فرماتے آخر الامر مستفیدوں کی یہ رائے ٹھہری کہ خاص جگہ بنائی جائے جہاں مخدوم بعد نماز جمعہ ٹھہریں۔ اور تعلیم و تلقین فرمائیں رفتہ رفتہ ایک دو روز کے قیام کی نوبت بھی آنے لگی۔ اسی اثنا میں مولانا نظام مولا نے اپنے مال مزکے سے مخدوم کے رہنے کیلئے ایک مکان بیرون شہر بہار، تعمیر کرایا (جو اس وقت خانقاہ مخدوم ہے) اور ایک روز دعوت کرکے یاران شیخ نظام الدین نے آپ سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی، آپنے انکی التماس کو قبول فرمایا، مگر ان کی طرف مخاطب ہو کر یہ بھی کہا کہ یارو تمہاری مجالست نے مجھے اس حد تک پہونچا دیا کہ اس بتخانہ میں لا بٹھایا۔

چند برسوں کے بعد سلطان محمد تغلق نے مجد الملک مقطع بہار کے نام فرمان جاری کیا کہ شیخ شرف الدین احمد منیری کے لئے بہار میں ایک خانقاہ تعمیر کرادی جائے۔ اور پرگنہ راجگیر فقرائے خانقاہ کے خرچ کے لئے ان کے حوالے کیا جائے۔ اور اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی ان سے قبول کراؤ۔ اسی کے ساتھ ایک مصلےٰ بلغاری بھی اپنی نشانی بھیجی۔

مجد الملک وہ فرمان اور مصلےٰ لیکر مخدوم کے یہاں حاضر ہوا۔ اور یہ عرض کیا کہ، میری کیا مجال کہ جو کچھ بادشاہ نے لکھا ہے اوس پر عمل کروں۔ لیکن اگر حضور بادشاہ کی التماس قبول نہ فرمائیں گے تو وہ مجکو تقصیر وار ٹھہرائے گا۔ اور پھر اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ میرے ساتھ کیا کریگا جب مجد الملک کی الحاح بہت بڑھی تو مخدوم نے باکراہ قبول فرمایا۔

خانقاہ مخدوم کس سنہ میں بنی اس کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ مگر واقعات اور ملفوظات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۷۲۵ھ اور ۷۴۶ھ کے درمیانی زمانہ میں خانقاہ کی تعمیر ہوئی۔ لکھا ہے کہ جب خانقاہ تیار ہوگئی مجد الملک نے تمام لنگرداروں وارباب تصوف اور مریدان شیخ نظام الدینؒ کی دعوت کی۔ ایک مقام علحدہ، جس میں ایک حجرہ اور ایک رواق تھا۔ مخدوم کے لئے درست کیا گیا تھا۔ اور وہی مصلی بلغاری جو بادشاہ نے بھیجا تھا وہاں بچھایا گیا۔ مخدوم اوس پر متمکن ہوئے۔ ایک مسافر درویش جو

مجلس میں حاضر تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھکر مخدوم کے حجرہ میں آیا۔ مخدوم اوسکی جانب مخاطب ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ منزل اور مقام تمہارا ہے۔ میں تو مجدد الملک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں کہ اطاعت الوالامر سے چارہ نہیں ہے۔ اور یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے، میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں چہ جائیکہ مصلی کے لائق ہوں اوس فقیر نے جواب دیا مخدوم تم کو خانقاہ اور مصلی کی وجہ سے کون پہچانتا ہے، تم کو جو شخص پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قوت باطن اور آپ کی طفیل سے آئے ہیں۔ یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا"۔ مخدوم نے فرمایا کہ جو فقرا کی زبان سے نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اور یہ مصرعہ پڑھا ع

آں راکہ خود سُلطان بود او ہرچہ گوید آں بود

بہار میں سکونت پذیر ہونے کے بعد مخدوم کی والدہ اور صاحبزادہ اور اکثر اعزا یہیں چلے آئے۔ اور مخدوم کے زیر سایہ آرام فرما ہوئے۔ مریدوں اور مستفیدوں کا بھی مجمع ہو گیا۔ دور دور سے لوگ آپ کے گردیدہ ہوکر آنے لگے۔ مخدوم نے عُمر کا بقیہ حصہ جو ساٹھ سال کے قریب ہوتا ہے بہار ہی میں بسر کیا۔ اگرچہ اس اثنا میں آپ اکثر باہر نکل جایا کرتے تھے اور دو ایک مہینہ اِدھر اُدھر کوہ و جنگل میں رہتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنے کسی

عزیز کو دیکھتے باہر چلے جاتے۔

آپ کی مجلسیں ایسی تھیں جہاں ہر شخص آزادی کے ساتھ کلام کر سکتا تھا۔ ایک طرف درس و تدریس ہوتا تھا اور دوسری طرف فقہ و حدیث علم کلام، اصول، تفسیر، منطق، فلسفیات، ادب اور تصوف کے مسائل حل ہوتے تھے۔ اور ہر شخص حاضرین مجلس میں سے مختلف مسائل کے متعلق سوال کرتا تھا۔ اور مخدوم ہر ایک کا جواب موافق فہم سائل کے دیتے ہر سائل اور ہر سامع مجاز تھا کہ آپ کی رائے سے اتفاق یا اختلاف کرے۔ یہ طریقہ تو اُن لوگوں کے لئے تھا جو یہاں موجود رہتے تھے۔ بقیہ جن کو مخدوم کی صحبت کا برابر موقع نہیں ملتا تھا۔ ان کی تعلیم مکتوبات و رسالہ جات کے ذریعہ سے کی جاتی تھی، وہی مکتوبات اب کتابی صورتوں میں متفرق ناموں سے موسوم ہیں۔ مثلاً مکتوبات صدی، مکتوبات دوصدی، مکتوبات بست و ہشت وغیرہ۔

مخدوم کی معاشرت نہایت سیدھی سادہ تھی۔ لیکن یہ لازمی ہے کہ طریقۂ زندگی جتنا سادہ ہوگا اتنا ہی اُس کا برتنا زیادہ مشکل ہوگا۔ اور پھر اس حالت میں کہ ہزاروں امرا و اہل اقتدار، سر اور آنکھوں پر بیٹھانے کو موجود ہوں اور ہر طرف سے فارغ البالی ہی فارغ البالی نظر آتی ہو۔ مخدوم کے سجادہ ارشاد و تلقین پر بیٹھتے ہی

مولانا نظام مولانے سب سامان راحت مہیا کردیئے۔ اور اس کے چند ہی برسوں بعد سلطان محمد شاہ تغلق نے پرگنہ راجگیر خرچ کے لئے زبردستی واگذاشت کردیا۔ مگر مخدوم نے ان موقعوں سے خود تمتع نہیں اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد راجگیر کے پرگنہ کو فیروز شاہ کے عہد میں (جبکہ وہ تغلق شاہی باقی نہ رہی کہ مشائخوں کے ساتھ قبول خدمت و راجگیر کے لئے جبر کرے) واپس کردیا، جسوقت آپنے جاگیر شاہی کو ترک کیا اور فیروز شاہ نے نقد آپکے اخراجات کو دیئے تو آپنے دربار سے نکلتے ہی سب مساکین کو تقسیم کردیا آپ پیر کے نصائح کے پورے پابند تھے۔ آپ کے یہاں دن کو کچھ پکتا نہ تھا۔ ایک وقت کھاتے اور وہ بھی نان خشک و آب۔ کیونکہ آپ غذا کو مثل دوا کے سمجھتے اور یہی اولیاء اللہ کی شان بھی ہے۔

مخدوم کو حفاظت اوقات کا بڑا خیال تھا۔ آپ کے اوقات بالکل منضبط تھے۔ عبادت و ریاضت کے بعد جو وقت بچتا وہ تلامذہ کی تعلیم، خلق اللہ کی مقصد براری، خورد و نوش و خواب آرام دہی تن جو بنی نوع انسان کے لئے ضروری ہے، صرف کرتے۔ کبھی کبھی سماع کی مجلسیں بھی ہوا کرتیں اور مخدوم کو تواجد یعنی ذوق بھی ہوتا۔ تواجد کے وقت مخدوم خلوت میں ہو جاتے اور دروازہ بند کرلیتے۔ وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہ ہوتی۔ اس میں نکتہ یہ تھا کہ حال کے وقت فقرا کا راز فاش

ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے وقتوں میں اختیار قوت بشری سے باہر ہے تو بہتر صورت یہی نظر آئی کہ خلوت نشیں ہو جاتے۔ آپ کے پیر قدس سرہ نے نصیحت نامہ جو لکھکر آپ کو دیا تھا اس کا آخری جملہ یہ تھا۔

"و در وقت سماع تا آنکہ تواند و ممکن باشد اصلاً و البتہ نہ گزارد کہ آب از چشم یا حرکت در وجود آید۔ بقدر المقدور دریں باب بکوشد مگر آنکہ کہ مغلوب شود و نگاہ نتواند داشت زیرا چہ در ظاہر شدن احوال آفات بسیار و کتمان آں از جملہ مہمات است"۔

ہائے ہائے۔ ~

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے ٭ گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

آپ کے یہاں سماع کی ایسی مجلسوں میں جن میں جوان اور بوڑھے مبتدی اور سن رسیدہ بلا امتیاز موجود ہوتے۔ ایسے کلام کے گانے کی اجازت نہ تھی جو عورتوں کی زبان سے بیان کئے جاتے ہیں اور جن میں "سخن ہائے فراخ" ہوں۔ یہ امراض روحانی و اخلاقی کے طبیب تھے وہ اس کو خوب جانتے تھے کہ کون چیز کس مریض روحانی و اخلاقی کے لئے مضر ہے۔

خلق مجسم حضور اکرم صلعم کے سات صدیوں بعد بھی مخدوم کے دربار میں اخلاق محمدی کی پوری جھلک نظر آتی تھی۔ مخدوم اپنے مریدوں

مستفیدوں اور شاگردوں کے ساتھ وہی برتاؤ کرتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ۔ مخدوم کے مکتوبات اٹھا کر دیکھئے، کہیں، برادر شمس الدین اکرم اللہ معرفتہ تو کہیں برادر اعز شمس الدین، کہیں برادر عزیز شیخ عمر، تو کہیں، شیخ عمر بدعا از شرف منیری مخصوص است، کبھی، امام مظفر، تو کبھی، مولانا مظفر کسی کو " صدر العلما مولانا حمید الدین از حقیر فقیر شرف منیری سلام و تحیت مطالعہ کنند" وغیرہ وغیرہ القاب ہیں جن سے مرید و مستفید مخاطب کئے جاتے تھے۔

حضرت مخدوم برابر اپنے مستفیدوں پر طلب علم کی تاکید فرماتے آپ کا قول ہے کہ جیسے جہل تمام شقاوتوں کی اصل ہے۔ ویسے ہی علم تمام سعادتوں کی جڑ ہے۔ تمامی نجات عمل سے حاصل ہوتی ہے اور تمامی ہلاکتیں جہل سے پیدا ہوتی ہیں۔ درجات فردوسی اور کرامات قدسی لوگ علم کے ذریعہ سے پاتے ہیں۔ پس مومن کو جیسا شقاوت کفر سے بھاگنا چاہئے ویسا ہی جہل اور جاہل سے بھاگنا چاہئے۔ علم سے مخدوم کی کیا مراد تھی وہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو کچھ آدمی کرتا ہے اوسکی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو خدا تک پہنچاتی ہے جیسا کہ طاعت۔ دوسری وہ جو خدا سے غافل کرتی ہے جیسا کہ معاصی

ان دونوں قسموں کا علم تمام آدمیوں پر فرض ہے۔ اس علم کے ساتھ عمل اگرچہ قلیل ہو وہ عنداللہ کثیر ہے۔ اور بغیر علم کے اگر کوئی جان پر بھی کھیل جائے اور کثیر العمل ہو تاہم وہ عنداللہ قلیل ہے بلکہ وہ محنت بے مزد ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی بغیر علم کے تمام عمر مجاہدہ و ریاضت کرے، تو جیسا وہ ہے ویسا ہی رہے گا اور یہ ویسا ہی ہوگا کہ جیسے کسی نے بغیر وضو نماز اور بغیر ایمان قران پڑھا ہو (عمل بغیر علم کی واضح مثال یہ بھی ہے کہ ایک شخص جاہل بے علم عمل کرتا ہے مگر بجائے چار رکعت ایک سلام میں پانچ چھ رکعت پڑھتا ہے۔ روزہ بے وقت افطار کرتا ہے اس کا اسکو کیا فائدہ ہوگا۔ یہ محنت بے مزد نہ ہوگی تو اور کیا)۔

آپ کو حق العباد کا بڑا خیال تھا، کبھی حق العباد کے اتلاف کو آپ جائز نہیں رکھتے۔ اسکو اہم معاصی سمجھتے تھے۔ آپکا قول ہے کہ حق عباد سخت تر از حق خداوند است کہ حق خداوند بتوبہ و استغفار بگذرد و حق مخلوق تا اورا خوشنود نہ کنی نگزاردہ باشی۔ اے برادر حقوق عبادہ عقبیٰ دشوار است۔ حدیثے در نظر آمدہ است، اگر کسے خانہ کعبہ را کہ قبلہ مومنان است سنگ سنگ کند و بسوزد چناں نہ بود کہ مومنے را بے موجب شرعی رنجے برساند (ترجمہ حق العباد حق اللہ سے زیادہ سخت ہے کیونکہ حق اللہ کی تلافی توبہ استغفار سے ہوجاتی ہے

اور حق عباد کا یہ حال ہے کہ جب تک خود وہ شخص نہ معاف کرے یہ
حق ادا نہیں ہوتا ہے۔ بھائی میرے بندوں کے حق کو ایک دشوار
گذار گھاٹی سمجھو۔ اسکے متعلق ایک حدیث پر نظر پڑی ہے کہ اگر کوئی شخص
بیت اللہ کے ایسی جگہ کو جو کہ مومنوں کا قبلہ ہے پاش پاش کر دے اور
جلا ڈالے تو بھی یہ گناہ ایسا سخت نہیں جیسا کہ کسی مومن کو بلا شرعی
وجہ کے ایذا پہنچائی جائے) اس حق میں صرف انسان یا مسلمان
کی قید نہیں ہے بلکہ انسان، حیوان، مسلمان، اور غیر مسلمان سب
مخدوم کے خیال میں برابر تھے۔ آپ کا قول ہے کہ جس طور سے مسلمان
کے حق کی جوابدہی مسلمان کے ذمہ ہے اسی طور سے غیر مسلم کے حق کا
حساب بھی مسلمان کو دینا ہوگا اور جس طرح سے انسان کے حق کی ذمہ داری
اس کے ساتھ ہے اسی طرح سے حیوان کے حق کے لئے بھی وہ جوابدہ
ہے۔ تحفہ غیبی میں مخدوم فرماتے ہیں۔ "حقوق عباد سخت مشکلے است
کہ عباد ہمہ محتاج اند خاصتاً درچناں وقت کہ فردائے قیامت پیش
خواہد آمد۔ اما در حقوق خداوند عز وجل ایں مقدار ہست کہ حق تعالیٰ
کریم است رحیم است مستغنی است احتیاج بہ کسے و بہ چیزے نہ دارد امید بخشایش بسیار
است اما حقوق عباد مشکل است کہ ہمہ وقت محتاج اند چہ اینجا وچہ آں جا"
(ترجمہ، بندوں کا حق ایک مشکل حق ہے، اسلئے کہ ہر بندہ محتاج ہے

اور خاص کر اسوقت جبکہ کل قیامت کا سامنا ہوگا۔ حق اللہ میں تو بہت کچھ گنجائش بھی ہے کیونکہ اسکی ذات ایسی مستغنی ہے کہ اسکو کسی سے کچھ حاجت نہیں اس سے بخشائش کی بیحد امید ہے۔ مگر بندوں کا حق ایک بڑا مشکل حق ہے اسلئے کہ یہ ہر جگہ محتاج ہیں کیا یہاں کیا وہاں

مخدوم کا برتاؤ علی العموم کل مسلمانوں کے ساتھ نہایت خلوص کا تھا ان کے رنج و راحت میں حتی المقدور شریک ہوتے اور ان کی دستگیری اور دل دہی فرماتے، آپ کا قول تھا کہ "فراہم آوردن کارہائے مسلمانان وسعی نمودن در امور خلق بزرگ دولتے است۔ ایں کار پیغمبراں است کہ کارہائے خلق کردہ اند و بلاہائے ایشاں کشیدہ اند" (ترجمہ، مسلمانوں کا کام کردینا اور خلق اللہ کی حاجت روائی میں کوشش بلیغ کرنا، انسان کے لئے ایک بڑی دولت ہے۔ یہ خصلت پیغمبروں کی ہے، آپ حضرات برابر خلق اللہ کے کام میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ اور ان کی بلائیں اپنے سر لیتے رہے)، دوسروں سے بھی مخدوم کی برابر یہی استدعا تھی کہ ایک دوسرے کے کام آؤ۔ اور اس میں امیر غریب کسی کی قید نہ تھی۔ مخدوم کا اپنے اعزا اور اقربا کے ساتھ بھی فیاضانہ برتاؤ تھا۔ صلہ رحم کا رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا، ماں، بھائی، اور دوسرے اعزا و اقربا کے

جو جو حقوق تھے تا حد بشری برابر ادا کیئے۔ دیکھئے شیخ مغربی کو جو مکتوب آپنے لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ "ماں کے حقوق مجبور کیئے ہوئے ہیں۔ ورنہ میں نے ہند کب کا چھوڑا ہوتا"۔ آپکے بھائی اور ان کے عیال برابر آپ ہی کے یہاں پلے، بھتیجی اور پوتی کو بیٹیوں کی طرح پالا جن کے جتنے حقوق تھے ان کے ایفا میں ہرگز تساہل نہ فرمائی۔

مخدوم کو اظہار کرامت سے تنفر تھا اور اوسکو شاذ و نادر جائز رکھتے تھے۔ شکستگی اور بے نوائی ظاہر کرتے۔ آپ فرماتے ہیں جس قدر کرامات میں تو مشغول ہوا اسی قدر کرامات دینے والے سے روگردانی کی۔ ایک بار آپ کی مجلس میں اکثر مشائخ نے اپنی اپنی تمنائیں اور آرزوئیں بیان کیں، جب آپ کی نوبت پہونچی تو فرمایا، میری آرزو یہ ہے کہ میرا نام نہ اس جہان میں رہے نہ اوس جہان میں۔ شیخ منہاج الدین، جنھوں نے سات حج کئے تھے۔ بارہا مخدوم پر بطور طعن کے الزام دیا کرتے تھے کہ مخدوم نے حج نہیں کیا۔ مخدوم عذر شرعی پیش کرتے تھے۔ ایک بار یہی قصہ پیش تھا اور مولانا مظفر بلخی مرید خاص بھی موجود تھے۔ مولانا کو طیش آ گیا۔ آپ نے شیخ منہاج الدین سے کہا "حرم کعبہ را در آستین غلامان شرف بنگر"، حاجی صاحب نے جو نظر کی تو پورے حرم کو دیکھ لیا، شرمندہ ہوئے۔ حضرت مخدوم کو مولانا کی یہ بات پسند نہ آئی۔ نہایت ناخوش ہوئے اور

تین دن تک مولانا سے نہ بولے اور پھر بولے تو یہ بولے، اگر میں نہ ہوتا تو تم منصور ثانی ہو جاتے۔

حضرت مخدوم اول درجہ کے متشرع تھے کسی حالت میں آپکا قدم جادۂ شریعت سے نہ ہٹا اور اس میں آپ کو نہایت غلو تھا، مرض الموت تک میں اس کا خیال نہ چھوڑا، وصال کے دن عصر کے وقت حضرت مخدوم وضو کرنے لگے، اتفاقاً منہ دھونا بھول گئے۔ آپ کے بھائی شیخ خلیل الدین نے ٹوکا، آپ نے سرنو سے وضو کیا آپ فرماتے ہیں کہ ع۱ با شرع ہوشیار باش و باخدا دیوانہ ع۲ باعشق آشنا باش و باعقل بے گانہ پھر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ع۳ بہر مقامے کہ برسی و بہر مرتبہ کہ برآئی باید کہ مقلد شرع باشی، پھر ایک جگہ ارشاد ہے ع۴ سلامتی دراں است کہ مومن بر حد علم شرع بایستد نہ سر موئے بیش شود نہ پس آید"۔ دیکھنے میں تو یہ چار جملے ہیں، مگر حقیقت میں اپنے اندر چار بحر زخار پوشیدہ رکھتے ہیں، ان کا اصل مفہوم اور صحیح مطلب تو ناظرین کے فطری ذوق اور صحیح وجدان پر چھوڑتا ہوں مگر سطحی ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

ع۱ یعنی ارشاد محمدی تعلیم محمدی پر عملدرآمد ضروری ہے۔ کیونکہ بذریعہ شان محبوبیت اسکی تبلیغ ہے۔ اپنا حق معاف کر سکتے ہیں اپنے محبوب کا حق معاف نہیں کر سکتے۔ باری تعالیٰ کے حضور میں تمہاری دیوانگی تمہاری

گستاخی ممکن ہے کہ معاف ہو جائے۔ مگر بارگاہ محبوبیت میں جہاں ذرا شوخی ہوئی یقین جانو کہ سارا عمل حبط ہو کر رہے گا۔ دیکھو قرآن میں حکم ہے نہ آواز بلند کرو نبی کی آواز پر۔ اور نہ تیور بدل کر بولو جیسا کہ آپس میں بولتے ہو، اس حرکت ناشایستہ سے یقینی تمہارے عمل حبط ہو جائیں گے یعنی سارا کیا کرایا برباد جائے گا۔ یہ ہوا۔ با خدا دیوانہ باش و با نبی ہوشیار

۲ عشق سے آشنائی یہ ہے کہ محبت کے اصول پر دین کا کام کرو۔ اور عقل اسکی مخالفت میں راہ دکھائے تو اسکی ایک نہ سنو ۳ کتنا ہی بلند مرتبہ تمکو حاصل ہو جائے پر شرع شریف کی تقلید سے باہر قدم نہ رکھو۔ یعنی ایسا نہ سمجھو کہ شرعی احکام کا بوجھ تمہارے سر سے اتر گیا۔

۴ ایمان کی سلامتی اس میں ہے کہ مومن علم شریعت کی حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس حد میں اپنے کو رکھے سر مو آگے پیچھے نہو۔ آپ کا قول تھا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللّٰہ شریعت۔ جیسا کہ بے محمد رسول اللّٰہ کہے صرف لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بے شریعت کے ہرگز ہرگز اس کو دین اسلام حاصل نہیں ہوتا۔

آپ کا قول ہے کہ جب تک علم و عمل باقی ہیں تکلیفات شرعی باقی ہیں جو کوئی اس کا منکر ہوا وہ باجماع مشائخ و باتفاق علمائے دین اسلام سے باہر ہے۔

ایک جگہ مکتوبات صدی میں مخدوم تحریر فرماتے ہیں۔ برادرم شمس الدین تمہیں معلوم ہو کہ صوفیوں میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ ریاضت شاقہ کر چکی ہے اور خواہشات نفسانی سے کوسوں دور ہے ایک مدّت دراز تک خلوت نشینی اس کا کام رہا ہے۔ دل کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اسم ذات اللہ اللہ کے سوا کسی طرف رخ نہیں کرتا ان حالتوں کو دیکھکر ابلیس کو رشک و حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ اس فکر میں لگ جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو حضرت سلامت کو اپنے دام فریب میں لاکر شیطان مجسم بنا چھوڑیں۔ وہ ایک پٹی تو یہ پڑھاتا ہے کہ مقصود ترک معصیت سے یہی ہے کہ خواہشات نفسانی دور ہو جائیں اور صفات بشریت مغلوب ہو کر رہے۔ تاکہ سالک کو خدا سے تقرب حاصل ہو، دوسرا فقرا اس کا یہ چلتا ہوا ہوتا ہے کہ مقصود ریاضت سے یہ ہے کہ ذکر حق دل پر غالب ہو جائے۔ اور ذکر خداوند تعالیٰ سے دل میں ایسی جلا پیدا ہو کہ ساری ظلمات بشریت دور ہو جائیں تاکہ حقیقت معرفت سالک کو حاصل ہو اور غرض شریعت درزی سے یہی ہے کہ کعبہ وصال تک پہونچے جب وہاں تک رسائی ہو گئی تو زاد و راحلہ کی کیا حاجت باقی رہی، ان توہمات کے بعد اس قوم کو یہ خلل دماغ پیدا ہو جاتا ہے کہ نماز ادا کرنیکو حجاب سمجھنے لگتی ہے۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ ہم تو خود ہر وقت مشاہدہ

میں ہیں، مقصود نماز و رکوع و سجود سے تو دل کی غفلت دور ہونا حضور دل پیدا ہوتا ہے۔ جب ایک ساعت بھی غفلت نہیں ہوتی اور عالم ملکوت پیش نظر ہے ارواح انبیا، بہترین صورت میں ہمیں دکھائی جارہی ہیں اب ہم کو ان بیگاریوں کی کیا حاجت باقی رہی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ" یہ بعینہٖ ابلیس کا واقعہ ہے۔ دیکھو بہت ہوشیار رہنے کا مقام ہے، جس سالک کا قافلہ لوٹا گیا ہے وہ اسی بادیہ خونخوار میں اس ہلاک شدہ قوم نے شریعت درزی سے صرف ایک ہی مقصود جانا۔ حالانکہ اس میں دوسرے دوسرے اسرار بھی پوشیدہ ہیں کیا عقل پر پردہ پڑجاتا ہے کہ انہیں کھلی کھلی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر شریعت درزی میں دوسرے دوسرے اسرار نہ ہوتے تو خود حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی نماز کی کیا حاجت تھی کہ پائے مبارک ورم کر کر جاتے تھے۔ بہرکیف علماء ہوں، مشائخ ہوں، صوفی ہوں، کوئی صاحب ہوں، جن کو واقعی کمال حاصل ہو وہ جانتے ہیں کہ شریعت کا کوئی رکن بھید سے خالی نہیں ہے اور ہر رکن سے سعادت آخرت وابستہ ہے۔ اگر بزرگوں کے معاملات پر غور کرو تو سمجھو کہ شریعت کے ساتھ ان کے کیا کیا آداب رہے ہیں مرتے دم بھی آداب شریعت سے منہ نہیں موڑتے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا

جب وقت آخر ہوا ضعف کا عالم طاری تھا، حسب حکم ایک صاحب وضو کرانے میں مشغول ہوئے، عجب اتفاق کہ وہ صاحب ریش مبارک میں خلال کرنا بھول گئے، آپنے خود سے ان کا ہاتھ پکڑا اور اس سنت کو پوری کیا حاضرین نے عرض کی کہ اے میرے دین کے سردار ایسے نازک وقت میں تو اس قدر تکلیف کی اجازت نہیں، آپنے کہا سچ ہے مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ کس کی بدولت ملا۔ اسی شریعت ورزی نے وہاں تک پہونچادیا بے شک جو اہل کمال ہوتے ہیں ان کی یہی روش رہی ہے۔ البتہ اہل غرور تھوڑی بات میں بھول جاتے ہیں۔ ان کا عجب حال ہے، جس چیز کو نہیں دیکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ وہ چیز ہی نہیں ہے، کیا نماز کے اسرار کو جاننا کھیل تماشا ہے۔ بڑے بڑے حقیقت آشنا بھی نہیں جانتے کہ پانچ وقت کی نماز کیوں ہوئی، تکبیر تحریمہ و قیام و قعود و دیگر ارکان کیوں مقرر کئے گئے۔ اور یہ ترتیب کیوں رکھی گئی کہ صبح کی نماز فرض دو رکعت ظہر و عصر کی نماز فرض چار چار رکعت۔ مغرب کی نماز فرض تین رکعت عشار کی نماز فرض چار رکعت۔ اور رکوع ایک بار، سجدہ دو بار، ہر بات میں ایک بھید اور خاصیت ہے۔ باوجود حصول کمال اگر نماز کی بھی تجہد اشت رہے گی تو البتہ موت کے وقت اثر ظاہر ہوگا۔ اور اس کا راز کھلے گا۔ اگر نماز کی پابندی نہ ہوگی تو کوئی کمال وقت پر

کام نہ آئے گا ۔

ایک دوسری جگہ اسی مکتوبات صدی کے اٹھارہویں مکتوب غلط گاہ عوام کے بیان میں آپ ارقام فرماتے ہیں، برادرم شمس الدین تمہیں معلوم ہو کہ بعض بعض عوام الناس محض شبہوں اور خیالات فاسدہ کی بدولت دینداری و دین سے ایسے محروم ہیں کہ گمراہ ہو رہے ہیں ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ خدائے عزوجل طاعت سے خلق کے بے نیاز ہے اس کو ہمارے عمل کی حاجت نہیں، طاعت و معصیت اوسکی بے نیازی کی بارگاہ میں سب کی سب مساوی اور برابر ہے۔ پھر خواہ مخواہ بھی کیوں ہم اپنے کو ایک مصیبت میں ڈالیں اور نماز و روزہ کی تکلیف برداشت کیا کریں ۔

جواب:۔ اس شبہہ سے سراسر جہالت کی بو آتی ہے غالباً اس گروہ نے دل میں یہ جانا ہے کہ شریعت جس کام کا حکم دیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے نعوذ باللہ یہ بالکل محال اور باطل ہے بلکہ دین کا جتنا کام آدمی کرتا ہے۔ سب میں بنفس نفیس اسی کا فائدہ ہے۔

دوسرے گروہ کا یہ خیال فاسد ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم اور رحیم ہے ہزار ہم گناہ کریں ہم کو ضرور بخش دے گا۔ کون شریعت کی زنجیریں اپنے کو اس طرح جکڑے ۔

جواب :- بے شک وہ بڑا کریم و رحیم ہے۔ مگر صرف رحیم و کریم ہی سمجھنا شیطان کا دھوکا ہے۔ جیسا کہ وہ کریم و رحیم ہے ویسا ہی وہ شدید العقاب بھی ہے اور حکیم و قدیر بھی۔ ہم ہیں ہیں دیکھ رہے ہو کہ ہزاروں آدمی تکلیف میں ہیں، ہزاروں آدمی غریب محتاج ہیں حالانکہ خزانہ الٰہی میں کوئی کمی نہیں ہے، ہر طرح کا سامان عافیت وہ کر سکتا ہے مگر ایسا نہیں کرتا ذرا خیال کرنے کی بات ہے، مسلمان ہو کر آدمی نشہ خوارئی کرے، چوری کا مرتکب ہو، زنا میں مبتلا ہو۔ سود کھایا کرے، نماز سے بھاگا بھاگا پھرے، روزہ سے جان چرائے۔ زکوٰۃ سے منہ موڑے اور طرح طرح کے برے کام کیا کرے۔ باوجود اس کے اُمید رکھے کہ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہے، ہمارے گناہ معاف کر دے گا اور گناہوں کا بدلہ نہ لے گا، یہ کہنا اس کا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کو تین قسم کا مرض لاحق ہوتا ہے۔ کفر۔ جہل، کاہلی، کفر و جہل دونوں تو روح کے لئے سراسر زہر ہیں۔ ان کا تریاق اگر ہے تو علم و معرفت اور کاہلی ایک ایسی بیماری ہے کہ اگر اس کا علاج نہ ہوا تو انسان ہلاک ہو کر رہ جائے گا۔ اس کا علاج نماز پڑھنا اور ہر قسم کے طاعت بجالانا ہے۔

(۱) جو شخص نفسانی خواہشات پر چلا مگر گناہ کو اس نے گناہ سمجھا

ایسا شخص ہلاکت کے قریب ہے اس کے لئے خوف ہلاکت ہے۔

(۲) جس نے گناہ کیا اور گناہ کو گناہ نہ سمجھا اس کے لئے خوف ہلاکت نہیں ہے بلکہ وہ ہلاک ہو چکا ہے۔ کیونکہ گناہ کو گناہ نہ سمجھنا کفر ہے اور کفر جان کے لئے سم قاتل ہے۔

تیسرے گروہ کی یہ حالت ہے کہ ریاضت بدنی میں مشغول ہوتے ہیں اور یہ خیال دماغ میں بیچیدہ رکھتے ہیں کہ غصّہ اور بھوک اور مردانگی و دیگر صفات ذمیمہ سب کے سب ریاضت سے نیست و نابود ہو سکتے ہیں یہ سوچ کر کچھ دنوں تک محنت شاقہ اور ریاضت کی چلنی ہے، تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت سلامت جو غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں نہ غصہ غائب ہوا نہ شہوتیں ناپید ہوئیں سخت گھبرائے کہنے لگے، ایسی ریاضت کا حاصل ہی کیا ہوا شریعت ورزی سے اتنا فائدہ بھی نہ ہوا تو کیا ہوا، بس ہمارا سلام لیجئے ہم باز آئے۔ کیونکہ سیاہ کمبل نہ اجلا ہوا ہے نہ ہوگا۔ آدمی بھی جس صفت پر پیدا ہوا ہے۔ اس کا بدلنا ناممکن ہے پھر ہم کیوں اپنے کو اس پریشانی میں ڈالیں۔

جواب:۔ شریعت نے کہاں اور کب یہ حکم دیا ہے کہ شہوت و صفات بشریت کو بالکل نکال ڈالو بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یوں فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں مجکو بھی غصّہ آتا ہے۔ چنانچہ غصّہ کا اثر

چہرہ انور پر ظاہر ہوتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غصہ پینے والوں کی قرآن شریف میں تعریف کی ہے، علی ہذا القیاس مردانگی اگر بری چیز ہوتی تو پیغمبروں کو نہ ملتی۔ خود ہمارے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو محل تھے قوت مردانگی تو ایسی نعمت ہے کہ اگر زائل ہو جاوے تو اس کا علاج کر کے لوٹانا چاہیئے تاکہ بیوی بچوں پر حمیت و ہمدردی پیدا ہو کثرت توالد تناسل اور نیک نامی کی بقا اس طاقت کے باعث ہوتی ہے۔ غصہ کی خوبی اس کے موقع پر دیکھو۔ خصوصاً جنگ میں جس وقت دشمن کا مقابلہ ہو۔ غصہ و مردانگی۔ دونوں صفتیں ایسی ہیں کہ پیغمبروں نے ان کو عزیز رکھا ہے۔ لیکن جس طرح خود ان پر غالب رہے ہیں امت کو بھی حکم دیا ہے کہ ان صفتوں کو مغلوب رکھیں۔ غصہ ہو، مگر شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو۔ قوت مردانگی رکھے لیکن شریعت کی حد سے تجاوز نہ کرے، ان دونوں صفتوں کا مغلوب ہونا البتہ ضروری ہے نابود ہونا تو بالکل برا ہے ان کے غالب ہونے میں بے شک خوف ہلاکت ہے ورنہ سراسر فوائد ہیں۔

چوتھے گروہ پر یہ حماقت سوار ہوتی ہے کہ سب کام تقدیر پر موقوف ہیں، جو سعید ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ سے، جو شقی ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ سے، ازل ہی میں سب کچھ ہو چکا۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، عمل کی حاجت نہیں جو ہونا ہے وہ خود سے

ہو رہے گا۔

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ فرمایا کہ سعادت و شقاوت ازلی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کیا ہم لوگ اس پر ایمان لاکر عمل سے منہ موڑلیں؟ ارشاد ہوا، نہیں عمل میں کوتاہ دستی نہ کرو اگر تمہارے نصیب میں سعادت ہے۔ نیک کام کرنے کی تم کو توفیق پیدا ہوگی۔ بات یہ ہے کہ سعادت کا ظہور طاعت سے ہوتا ہے۔ اور شقاوت کا ظہور معصیت سے مثلاً جس کے نصیب میں بھوکا مرنا ہے اوسکو روٹی یا دوسری غذا نہ ملے گی، یہ دروازہ اس پر بند رہے گا۔ اسی طرح جس کی قسمت میں تونگری ہے اوس پر کاشت کاری اور تجارت کا راز کھول دیا جاتا ہے۔ مجبوری اب ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس گروہ کے نصیب میں دوزخ میں جانا ہے اس کے دل میں یہ بات ڈالدی جاتی ہے، کہ سعادت و شقاوت ازلی ہے۔ عمل کی کچھ حاجت نہیں عمل ایک فضول کام ہے۔ یہ سونچ کروہ گروہ عمل سے باز رہتا ہے۔

مخدوم قدس سرہٗ کی تصانیف میں مَیں ایک غیر معمولی چیز یہ پاتاہوں کہ پہلے آپ مخاطب کا کچا چٹھا اوس کے سامنے پیش کردیتے ہیں اور پھر جب وہ اپنی بداعمالیوں کو دیکھکر بلبلا اٹھتا ہے تو اوس کو ڈھارس اس طرح دیتے ہیں کہ وہ فوراً رحمت و مغفرت کا امیدوار ہو کر سربسجود ہوجاتا ہے

مثلاً توبہ کے موضوع پر آپ نے مکتوبات صدی میں جو مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ اوس کو جگہ جگہ سے لیکر پیش کرتا ہوں، پڑھئے اور سر دھنئے۔

توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے کے ہیں ... ایک بزرگ سے مسئلہ توبہ پوچھا گیا۔ آپ نے جواب دیا، توبہ ادنیٰ اعلیٰ سب پر فرض ہے، ہر آن و ہر ساعت مگر ہر محل میں توبہ کی صورت بدل جاتی ہے۔ کافر پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان لانا فرض ہے، عاصی پر معصیت سے توبہ کرنا اور طاعت و عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے محسنوں پر فرض ہے کہ افعال حسن سے احسن کا قصد کریں۔ واقفان راہ پر فرض ہے کہ وہ ایک مقام میں ٹھہرے نہ رہ جائیں روش سالکانہ اختیار کریں، مقیماں آب و خاک پر فرض ہے کہ عالم اجسام کی سیر کافی نہ سمجھیں طیر کی قوت حاصل کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالک کا کسی مقام میں ٹھہر جانا گناہ ہے۔

توبہ اگر صرف گناہ ظاہری سے ہوتی تو پیغمبروں کو توبہ کی ضرورت کیا تھی۔ وہ تو گناہ کبیرہ و صغیرہ سے پاک ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر جب تجلّی ربانی ہوئی عالمِ بے خودی کے بعد جب ہوش آیا تو آپ نے فرمایا تُبْتُ اِلَیْکَ بظاہر یہ توبہ کا محل نہ تھا۔ مگر آپ کو یہ خیال ہوا کہ "اَرِنِی" کہنا اپنے اختیار سے ہمیں زیبا نہ تھا۔

مسئلہ توبہ کے لئے ہمیشگی شرط نہیں ہے، یعنی جب کسی گناہ سے آدمی توبہ کرے تو اوسکے یہ معنی نہیں ہوئے کہ وہ گناہ اوس سے عمر بھر سرزد نہ ہو۔ نیت البتہ صحیح ہونا چاہیئے۔ اگر تائب سے پھر گناہ سرزد ہوجائے تو نئے گناہ کے قبل تک وہ تائب تھا۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے ستّر مرتبہ توبہ کی اور برابر گناہ ہوتے رہے یہانتک کہ اکہترویں مرتبہ جب میں نے توبہ کی تو استقامت حاصل ہوئی، بعدہٗ پھر مجھ سے گناہ ظاہری وجود میں نہ آیا۔

ایک بوڑھا آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں پہونچا اور کہا کہ گناہ کی ہمارے انتہا نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپ توبہ کرلیں، ان بزرگ نے فرمایا کہ اے بوڈھے تم چوک گئے اس میں دیر لگادی تمہیں جوانی میں آنا تھا۔ مگر بوڑھا صحبت یافتہ تھا۔ اور توبہ کے فوائد سنکر آیا تھا۔ کہنے لگا نہیں حضرت دیر سے کیا واسطہ میں تو جلد سے جلد آیا ہوں۔ اے صاحب توبہ وہ نعمت ہے کہ مرنے کے قبل بھی نصیب ہوجائے تو کیا کہنا ہے۔ دیر ہونا بھی عین جلدی ہے۔

برادرم گناہ ایک بلا ہے خدا کی پناہ اس کی ابتدا سختی دل اور آخر آخر کفر کی بد بختیاں ابلیس اور بلعم باعور کے قصوں کو بھولنا نہ چاہیئے، دیکھو اول اول دونوں سے گناہ ہی سرزد ہوئے آخر

آخر کفر کی نوبت پہونچی۔

ہر چند تم گناہ سے آلودہ اور ملوث ہوئے ہو توبہ کرو تو سہی دیکھو توبہ سے تمہاری کیسی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ تم کو جاننا چاہیے کہ ساحران فرعون سے تم زیادہ آلودہ نہیں، سگ اصحاب کہف سے تم زیادہ ناپاک نہیں، طور سینا سے تم میں زیادہ جمود نہیں۔ اُستن حنانہ سے بڑھکر تم چوب خشک نہیں (ساحران فرعون بحالت پلیدی و ساحری آلودگی بذریعہ توبہ چشم زدن میں مومن کامل اور واصل بحق ہوئے، سگ اصحاب کہف بندگان خاص کے ساتھ ساتھ ہو لیا اور ان کا ہو رہا اس میں آدمیت آگئی یعنی بروز قیامت آدمی کی صورت میں اس کا حشر ہوگا، طور سینا ایک پتھر جس کا رتبہ ہر جاندار سے کم اوس پر بلا واسطہ تجلی یزدانی ہوگئی اور آنکھوں کا سرمہ بن گیا۔ اُستن حنانہ ایک چوب خشک جس کا سوائے جلانے کے دوسرا مصرف نہیں اوس کو حضور صلعم نے اپنی نوازش سے بوقت وعظ اپنا تکیہ ٹھہرایا تھا، یعنی اوس میں اڑکر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جب ممبر کو آپ نے عزت بخشی تو وہ چوب خشک حضرت کے درد فراق سے نالہ اندوہگیں کرنے لگا۔ اس عشق خداداد کا اوس کو یہ پھل ملے گا کہ بصورت انسان اوس کا بھی حشر ہوگا) قطع نظر اس کے کوئی شخص جنبش سے

غلام لاکر اگر اوس کا نام کافور رکھ دے تو اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ دیکھو جب ملائکہ نے کہا کہ ہم کو ان کے (انسان) فساد کی طاقت نہیں، ندا آئی بہت ٹھیک ہے۔ یہ کہنا تمہارا تو اوس وقت مناسب ہوتا جب ہم بھیک مانگنے کو تمہارے دروازہ پر ان کو بھیجتے، یا تمہارے ہاتھ ان کو بیچتے۔ اگر ایسا ہو تو ہرگز نہ چڑھنے دینا اور نہ خریدنا شاید تم کو اس کا خوف ہے کہ معصیت ان کی میری رحمت سے بڑھ جائے گی یا آلود گی ان کی ہماری قدوسیت پر دھبہ لگا دے گی۔ کیا ممکن یہ وہ مشت خاک ہیں کہ ہماری درگاہ میں مقبول ہیں اور جب ہم نے قبول کرلیا ہے تو معصیت و لوث کی مجال کیا ہے جو کچھ کرسکیں ۔

براسر در ہمہ علیم بدیدی وخریدی تو
نہ ہے کالائے پرعیب و نہے لطف خریداری

حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات اور تالیفات میں سترہ سونسخے بیان کئے جاتے ہیں جن کا بڑا حصہ حوادث روزگار کے نذر ہوگیا۔ کچھ ہماری بے بصیرتی کی وجہ کر ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ بقیہ ستائیس نسخے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ حسب فہرست مندرجہ ذیل، مخدوم کی خانقاہ میں موجود ہیں۔

تصانیف مخدوم الملک مطبوعہ

مکتوبات صدی مکتوبات دو صدی مکتوبات بست و ہشت
فوائد رکنی شرح اداب المریدین عقائد شرفی
رسالہ ارشاد السالکین ارشاد الطالبین اجوبہ کاکویہ
اوراد خورد اوراد اوسط

تصانیف مخدوم الملک غیر مطبوعہ

فوائد المریدین - اجوبہ زاہدیہ - رسالہ اشارات - رسالہ مکیہ - اوراد کلاں

ملفوظات حضرت مخدوم الملک مطبوعہ

معدن المعانی - مخ المعانی - راحت القلوب - خوان پر نعمت

غیر مطبوعہ

کنز المعانی (جس کو بحر المعانی بھی کہتے ہیں)، مغز المعانی - گنج لا یفنیٰ
مونس المریدین - تحفہ غیبی - ملفوظ الصفر - برات المحققین -

شیخ الاسلام شیخ معیز بلخی نے فرمایا ہے کہ مخدوم کے مرید لاکھ سے زیادہ تھے۔ ان لوگوں میں چالیس شخص واصل بحق تھے۔ اور ان چالیس میں تین شخص فرد تھے۔ ۱۔ شیخ مظفر بلخی ۲۔ ملک زادہ فضل اللہ ۳۔ اور مولانا نظام الدین دروں حصاری، ان تین مردوں میں آتش عشق کا شعلہ شیخ مظفر بلخی کو پہونچا اور ایک دھواں ان دو مردونکو واصل بحق سے آپ کی مراد مرتبہ شیخیت ہے۔ اور مران خدا سے آپ کی مراد وہ مرتبہ ہے جو اس سے بھی۔ بالاتر ہے ورنہ علی قدر مراتب حضرت مخدوم کا ایک ایک دست گرفتہ درجہ ولایت پر فائز تھا)

مخدوم نے بڑی عمر پائی (اس عرصہ میں سلطان ناصر الدین محمود سے لیکر فیروز شاہ بادشاہ تک اگیارہ فرماں روا دہلی کے تخت پر بیٹھنے گئے۔) اواخر عمر میں اگرچہ بصارت آپکی کمزور ہو گئی تھی مگر بالکل زائل نہ ہوئی تھی۔ طاقت بدنی بھی گو لازمی طور سے گھٹ گئی تھی۔ مگر تادم واپسین بلا استعانت غیرے اپنے سارے کام آپ کر لیتے تھے۔ ۷۸۲ھ چھٹی ماہ شوال کی شب کو ایک سو اکیس برس کی عمر میں مخدوم نے رحلت فرمائی۔ وصال کے روز بار بار لوگوں سے فرماتے کہ عاقبت کا غم کھاؤ پھر رحمت پروردگار عزوجل اور مغفرت کا امیدوار کرتے حاضرین سے مخاطب ہوکر فرماتے کہ اگر کل تم سے پوچھیں کہ تم کیا لائے ہو تو کہنا کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ہم لائے ہیں

اگر مجھ سے پوچھا گیا تو میں بھی یہی کہوں گا (ترجمہ :- اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو۔ اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا)

ایک بار فرمایا حاضرین سے کہہ دو کہ اگر میری آبرو رہ گئی تو کسی کو بھی نہ چھوڑوں گا۔ آخرکار نماز عشا کے تھوڑی دیر کے بعد آپنے بسم اللہ بآواز بلند پڑھنا شروع کی اور بار بار اس کا اعادہ فرماتے اور بار بار کلمہ طیبہ با تسمیہ پڑھتے، عاصیان امت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا، کرتے۔ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور جاں بحق تسلیم کیا انا للہ وانا علیہ راجعون

۷۸۲ھ میں شب ششم کو پنجشنبہ کی رات تھی نماز عشا کے وقت وصال ہوا اور پنجشنبہ کے دن چاشت کے وقت مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار شہر بہار (جو آب آپ کی وجہ کر بہار شریف کہا جاتا ہے) میں ہے۔ اور بڑی درگاہ کے نام سے مشہور ہے جو زیارت گہ خاص و عام ہے۔ قبر کچی ہے اوس پر کوئی گنبد نہیں۔ اگرچہ سوریوں کے عہد سلطنت میں اس کے حوالی میں مکانات اور مسجد اور حوض بنے لیکن بہ خیال اتباع شریعت قبر اصلی حالت پر کچی چھوڑ دی گئی

مخدوم کو چونکہ حضرت نجیب الدین فردوسی سے بیعت تھی اس لئے آپ کا خاندان طریقت فردوسیہ ہے مگر تعلیم راہ سلوک و معرفت کی

چونکہ بلاواسطت پیرِ خاص حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اس لئے آپ اویسی ہیں اور اس لئے یہ کہنا کہ آپ اویسی اور فردوسی ہیں بیجا نہ ہوگا۔

مخدوم کا شجرۂ بیعت یہ ہے

(۱) شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (۲) خواجہ نجیب الدین فردوسی
(۳) خواجہ رکن الدین فردوسی (۴) خواجہ بدر الدین سمرقندی
(۵) خواجہ سیف الدین باخرزی (۶) خواجہ نجم الدین کبریٰ۔
(۷) خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی (۸) خواجہ وجیہ الدین ابوحفص
(۹) خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ عمویہ (۱۰) خواجہ احمد اسود دینوری
(۱۱) خواجہ ممشاد دینوری (۱۲) خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی
(۱۳) خواجہ سری سقطی (۱۴) خواجہ معروف کرخی
(۱۵) سیدنا امام علی رضاؑ (۱۶) سیدنا امام موسیٰ کاظمؑ
(۱۷) سیدنا امام جعفر صادقؑ (۱۸) سیدنا امام محمد باقرؑ
(۱۹) سیدنا امام زین العابدینؑ (۲۰) سیدنا امام حسینؑ
(۲۱) سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ
(۲۲) حضرت سرورِ کائنات سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مخدوم کی صلبی اولاد کا سلسلہ اس وقت ایک پوتی سے جاری ہے، آپکے صاحبزادے شاہ ذکی الدین نے آپ کی حیات ہی میں ایک لڑکی بی بی بارکہ چھوڑ کر قضا کی، ان بی بی کا بیاہ سید وجیہ الدین رضوی خواہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسی سے ہوا۔ اس کتخدائی سے ایک لڑکی بی بی طاہرا پیدا ہوئیں، جو شہابُ الدین علوی طوسی سے بیاہی گئیں۔ ان کے دو بیٹے شیخ علیم الدین اور شیخ امام الدین ہوئے تقریبًا ڈیڑھ سو سال کے بعد جب فرزاندان حسین بلخی نوشہ توحید نے خلع خلافت کیا تو مجاوران درگاہ نے حضرت بی بی بارکہ کی اولاد کو لاکر سجادہ خلافت خانقاہ پر متمکن کیا۔ ان میں سے پہلے بزرگ جو سجادہ پر بیٹھے وہ شاہ بیکھ تھے۔ اس وقت تک خلافت خانقاہ اسی خاندان میں چلی آتی ہے۔ اور جناب سید شاہ محمد سجاد صاحب جو آجکل زیب دہ سجادہ ہیں وہ مخدوم کے ۲۳ تیئسویں سجادہ نشیں ہیں، مخدوم کی صلبی اولاد کا سلسلہ تو بس اسی ایک پوتی سے جاری ہے۔ لیکن آپ کی اولاد معنوی اس وقت بھی ہندوستان کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہے۔ اور انشاء اللہ تاقیام جہاں قائم رہے گی۔

مخدوم کے چند دوہے پیش کرتا ہوں اس سے آپ کو پتہ چلے گا کہ

جس طرح آپ امراض روحانی و اخلاقی کے طبیب تھے۔ اسی طرح آپ امراض بدنی کے بھی حکیم تھے۔ ان دوہوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اوس وقت یہ نوعروس **اُردو** اپنے سن کے کس دور میں تھی اور اوس وقت اس کے خط و خال کا کیا رنگ تھا۔

(۱)

پات کسونجی بکھ ہرے　　اور پھول رتوندھی جائے
جڑ کسونجی باگھ روئیں　　بیج سے بیج نسائے

(۲)

تل، تیسی، دانا، تیکھر، تال مکھانہ
گھی شکر میں سانا کھائے زنانہ ہو مردانہ

(۳)

لودھ۔ پھٹکری مُرداسنگ　　ہلدی زیرہ ایک ایک ٹنگ
افیم چنے بھر مرچیں چار　　کراؤ برابر تھوتھا ڈار
پوست کے پانی سے پوٹری کرے　　نین کا بید تُرتے ہرے

(۴)

نون، مرچ، مجیٹھ لے آوے　　نیلا تھوتھا آگ جلاوے
لودپٹھانی کتھ پاپڑیا　　پیس برابر منجن کریا

منجن کرکے پان چباوے　　　دانت کا پیرا کبھو نہ پاوے

(۵)

ہڑ بہیڑا۔ اونلا اور چیتا　　　تنک سونٹھ ملاوے پیتا پتیا
کھانسی سانسی سب جر جائے　　　ان نہ جانوں کتنا کھائے

عرس نامہ حضرت مخدوم قدس سرہٗ

خاندان فردوسیہ کے بزرگان اپنے پیروں کے عرس بڑے اہتمام واحتشام سے کیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس سرہ کے متعلق مخدوم الملک خوان پُر نعمت میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

پیش ازیں دریں کار در دہلی معروف ومشہور شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ بودہ اند و عرس پیران ایشان می کردند بلکہ در دہلی پیدا ایشان کردند"

بلخیوں کے دور سجادگی وخلافت میں حضرت مخدوم الملک کا عرس غیر معمولی کروفر سے ہوتا تھا۔ جب خود مخدوم زادوں میں سجادگی کا عہد مبارک شروع ہوا تو عرس کی شان وشوکت میں اور بھی

چار چاند لگے۔ جن ایام میں مال و دولت کی فراوانی تھی۔ تو تین چالیس ہزار روپیہ تک عرس کے اخراجات میں اٹھ جاتے تھے۔ حضرت شاہ امیر الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں اگرچہ گزشتہ تمول متاع دنیوی سے بے توجہی اور کنارہ کشی کے سبب باقی نہ رہا تھا جب بھی بارہ چودہ ہزار کا چھٹھ تقریب عرس پر لگ جاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ عید کی عالمگیر خوشی ہر جگہ مسلم ہے، لیکن عید کے ساتھ ہی حضرت مخدوم کا عرس گویا قدرت نے بہار والوں کو دہری عید عطا فرمائی ہے۔

آخر رمضان اور یکم شوال سے زائرین اور حاجتیوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ پانچویں تک بہار شریف کا کل محلہ اور محلے کا تقریباً ہر ایک گھر مہمانوں سے بھر جاتا ہے۔ صوبۂ بہار میں سونپور چھتر کے بعد اتنا زبردست سالانہ اجتماع کسی دوسری جگہ نہیں ہوتا، ریلوے اسٹیشن سے بازار، بازار سے خانقاہ اور درگاہ شریف تک کھوے سے کھوا چھلتا ہے پانچویں کو معلوم ہوتا ہے کہ سارا صوبہ بہار سمٹ کر ایک مرکز پر چلا آیا، جمعیت اسلامیہ، رفاہ المسلمین بہار شریف کی مقامی انجمنوں کے سیکڑوں رضا کار بختیار پور (ریلوے اسٹیشن ای۔ آئی۔ آر) سے بڑی درگاہ تک مسافرین اور زائرین کی امداد

اور آسائش کے لئے پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ صبح سے برابر خانقاہ اور درگاہ شریف کے عظیم الشان پھاٹکوں پر نوبت بجتی ہے۔ قبل مغرب معززین و اراکین شہر خانقاہ مخدوم میں جمع ہوتے ہیں۔ فقراء و رفاعی قلندریہ، سدا سہاگ، ملنگ، "لطف انبیاء کرم اولیاء بفضل پنجتن یا علی" کا پرجوش نعرہ لگاتے ہوئے یہیں آپہونچتے ہیں حضرت جناب حضور موجودہ سجادہ نشیں کو اس کی اطلاع دیجاتی ہے وہ تشریف لاتے ہیں، ساری مجلس تعظیماً اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ فقراء، نکر، نعرہ مارتے ہیں اور سلام علیکم کی جگہ "عشق اللہ فقر اللہ" کہتے ہیں۔ اور جواباً "سدہار اعشق" سنکر بیٹھ جاتے ہیں۔ سجادہ نشیں حاضرین کی مخاطبت کے بعد فقرا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں آپ ایک امتحانی نگاہ کے بعد سرگرہی کی رسم انجام فرماتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کے سر پگڑی باندھ دیتے ہیں۔ اب گرزماروں کی گرزماری شروع ہوتی ہے۔ اور سدا سہاگ یا علی کی دم بدم کے دم بھرنے لگتا ہے۔ سرگروہ کی عطر و پان سے ضیافت کی جاتی ہے اور دو روپیہ نقد اسی وقت ان کو دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ مجلس برخاست ہو جاتی ہے اور فقرا اپنے نعرے لگاتے ہوئے کالے پتھر کو چلے جاتے ہیں۔ پہلے اس کالے پتھر کو دودھ سے دھویا جاتا ہے

اور اس پر ایک پرانا کمبل بچھا کر سرگروہ کو بٹھایا جاتا ہے۔ فقرا اپنے کرتب دکھا دکھا کر سرگروہ سے دعائیں لیتے ہیں اور بہار شریف کے کل عرسوں کے اختتام تک اس کو اپنا سردار اور بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ یہی سرگروہ ان کے سال بھر کے مناقشات اور مقدمات فیصل کرتا ہے آٹھویں شوال تک اس کا قیام اسی جگہ رہتا ہے اور خانقاہ کے علاوہ اور بھی چند مقررہ مقامات سے کل فقرا، کی دعوتیں ہوتی ہیں۔

پانچویں ہی کی سہ پہر کو کوتوالی (تھانہ) کی چادریں بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے۔ ایک پرشکوہ جلوس کے ساتھ جس کے جلومیں، اونٹ، نقارہ، ہاتھی، گھوڑے، ملیٹری، پٹنہ ڈویزن کے کل پولیس افسران، بہار شریف کا حاکم شہر۔ ہر قسم کے باجے والوں کی متعدد ٹولیاں اور قوالان ہوتے ہیں، بہار شریف کے ابتدا شمالی بہار سے نکلتا ہے اور دو میل کا لمبا بازار طے کرتا ہوا قبل مغرب آستانہ حضرت مخدوم الملک میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس جلوس کے ساتھ مختلف رنگوں کی ہزاروں جھنڈیاں تلوار، بندوقیں، عصا، بلم، برچھی، نقرئی ہوتی ہے۔ باجوں کی آوازیں اور اژدھام خلائق کے شورو غل سر پر آسمان اٹھا لیتا ہے

فضا گونج اٹھتی ہے۔ اوس وقت لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ پل سے درگاہ شریف تک سر ہی سر نظر آتے ہیں، کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی، بعد مغرب متعدد جماعتوں کی طرف سے چادریں چڑھتی ہیں اور ان کے دیدہ زیب اور نظر فریب جلوس بھی نکلتے ہیں، موٹر والے، بیڑی والے، منصفی، آبکاری، اسکول کے جلوس، برقی روشنی، متعدد دروازوں کی پرانوار جگمگاہٹ سے راستوں پر وادیٔ ایمن کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔ زندہ دلان کلکتہ کی چادر جو کہ ادھر چند سال سے آتی ہے۔ . اس نے اس اجتماع کی رونق کو دو بالا کر دیا ہے۔ اسی دن سر شام سے صبح تک خانقاہ مخدومؒ سے درگاہ مخدومؒ تک گیس کے ہنڈے روشن کئے جاتے ہیں، بعد نماز عشا (گیارہ بجے شب کے) حضرت سجادہ نشین مخدومؒ کی خاص چادر آپ خود لے کر جاتے ہیں آپ پالکی پر ہوتے ہیں معیت میں، متوسلین، مریدین اور معتقدین کا گروہ ہوتا ہے، شہنائی بجتی جاتی ہے۔ یہ سماں بہت دلگداز اور بڑا دلکش ہوتا ہے آستانے پہنچکر چادر اور شامیانہ چڑھایا جاتا ہے۔ سابق سجادگان کے مزارات مقدس پر پھول رکھے جاتے ہیں، پھر آپ حجرا بیض کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور قل پڑھا جاتا ہے۔ بعد ختم قل

انوار و تجلیات مخدوم سے مالا مال ہو کر آپ خانقاہ واپس تشریف لاتے ہیں اور مجلس سماع شروع کی جاتی ہے۔ جس کا سلسلہ صبح کی نماز تک قائم رہتا ہے۔ بعد نماز صبح مخدوم زادگان اپنے سروں پر حلوے، چپاتیوں کے ٹوکرے اور شربت کے گھڑے لاتے ہیں مجلس سماع ختم کر دی جاتی ہے اور فاتحۂ قل شروع ہوتی ہے بعد فاتحۂ قل حضرت مخدوم کے حجرہ مقدس کی دیوار سے مٹی کی گاگر تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ سماں بھی بڑا پُر لطف ہوتا ہے۔ ہزاروں انسان کی بھیڑ ہوتی ہے۔ اور ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ کس طرح وہاں پر پہنچکر خود گاگر حاصل کرے۔ گاگر کی تقسیم کے بعد یہ مجمع خانقاہ شریف سے روانہ ہوتا ہے۔ آگے آگے قوال ہوتے ہیں جو اس وقت کے گانے کی ایک خاص چیز اپنی غیر معمولی لئے میں گاتے ہیں وہ "ھوا ھذا"

سوندھے آنچل بور شرف جہاں کے .... سب پنہریا بھر بھر گیلی اپنی اپنی اوڑھ

شرف جہاں کے سوندھے آنچل بور

سونے کی گھلیا تری ریسما پاگ کی ڈور ...... شرف جہاں کے

قوالوں کے بعد حضرت زیب سجادہ جناب حضور ہاتھ میں گاگر لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے سارا مجمع اپنی اپنی گاگر لیئے ہوتا ہے

یہ جلوس آہستہ آہستہ چلتا ہے صبح کا سہانا وقت لوگوں کا اژدہام قوالوں کا سرور افزا نغمہ عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے، ہر شخص پر ایک خاص کیفیت وجد طاری ہوکر بے خودی چھا جاتی ہے۔ قریب کے ایک قدیم کنوئیں سے پانی بھر کر یہ مجمع اُسی شان کے ساتھ لوٹتا ہے واپسی کے وقت قوال یہ چیز گاتے ہیں۔

شاہ شرف جی میں تو سے مانگوں ✦ مانگوا نند سُکھ سمپت ایمان میں تو سے مانگوں
شاہ شرف جی میں تو سے مانگوں ✦ کرم کنہیا رحیم سبحان رحم کرم کردے تو رنگ رنگا
شاہ شرف جی میں تو سے مانگوں

گاگر کا پانی ایک دیگ میں اونڈیل کر لوگ چلے جاتے ہیں، اسی پانی سے حضرت مخدوم کی نیاز کا کھانا پکایا جاتا ہے۔ قبل مغرب ششم شوال کو فاتحہ ہوتی ہے یہ کھانا زائرین اور متوسلین کے علاوہ مخدوم زادوں میں ضرور تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسی دن سے شہر میں بھی کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ جو نہم شوال کو ختم ہو جاتا ہے۔ اسی دن بعد ظہر ولی عہد سجادہ درگاہ شریف جاکر حضرت مخدوم الملک کے تبرکات کی زیارت کراتے ہیں، یہ تبرکات اکثر وہی ہیں، جو حضرت مخدوم کے پیر و مرشد حضرت نجیب الدین فردوسی نے آپ کو مرحمت فرمائے تھے۔ بعد مغرب سجادہ نشین حضرت مولانا مظفر بلخی

قدس سرہٗ، کی طرف سے درگاہ شریف میں ایک عرصہ دراز سے قوالی ہوتی ہے۔ ہفتم شوال کو فقرار بے نوا حضرت جناب حضور کے یہاں آتے ہیں۔ ان کو دو روپئے دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ فقرار تمام شہر میں گھومتے ہیں۔ دن کے ۹ بجے سے خانقاہ شریف میں قوالی ہوتی ہے جو قبل نماز عصر ختم کردی جاتی ہے۔ نہم شوال حضرت مخدوم کا چہارم ہوتا ہے اور ایک زرد رنگ کے پلاؤ میں ایک بھینس کا مسلم گوشت ڈالا جاتا ہے۔ اور یہ کھانا انہیں فقرار کے یہاں کالے پتھر بھیجدیا جاتا ہے۔

۱۹ر شوال کو ان فقرار کو قبولی پکوا کر اور ایک روپیہ مع چادر حضرت مخدوم کے فاتحہ کے لئے دیا جاتا ہے۔ اور اس عرصہ میں جس قدر نذرانہ کی رقم مختلف مقامات سے فقرا کے لئے آتی ہے، آپس میں سب پر تقسیم کردی جاتی ہے۔ حضرت ابوالفیاضؒ جونپوری جو کہ حضرت سید شاہ وجیہ الدین قدس سرہٗ العزیز کے عہد سجادگی میں عُرس مخدوم کے موقع پر بہار شریف آئے تھے۔ عرس مخدوم کا نقشہ اپنی تصنیف گنج ارشدی میں یوں لکھتے ہیں۔

فرزندان او مکرم و محترم اند و عرس شریف وے می نمائند
روشنی فانوس ہا از خانقاہ متبرک وے تا روضہ مبارک وے

می نمایند قریب پاؤ کروه خواہد بود مرتب احقر نیز در ۱۳۹۱ھ در شب عرس متبرک حاضر گشتہ روشنی را دیدہ بموافقت بزرگان از چاہ ہمراہ فرزندان ایشاں آب برآوردہ درآوند انداختہ کہ ازاں آب طعام می پزند و در عرس مردمان کہ حسب استدعاء می روند می یابند،،

تبرکات حضرت مخدوم کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

"قرآن خط خاص مخدوم جہاں، و جبہ و دستار ایشاں، دستار و جبہ حضرت نجیب الدین فردوسی، و مقراض و دوات وتنگہ، تسبیح کہ حضرت مخدوم جہاں شاہ مظفر را دادہ بودند"

الحمد للہ کہ یہ تبرکات آج تک خانقاہ مخدوم میں موجود ہیں۔ اور انہیں کی زیارت ہر سال ہوا کرتی ہے۔

فردوسیہ نورتن

نتیجہ فکر جناب مولوی غلام محمد صاحب حسامی بہاری ایڈوکیٹ ہائیکورٹ پٹنہ

ہے مشہور بہیا کا سنسان بن — کہانی ہوئی آج جسکی کہن
یہ معلوم ہوتا ہے جیسے ہے خواب — اگا تھا یہاں سے وہی آفتاب
مدینہ سے لیتا تھا جو روشنی — کہ ہندوستاں کی بھی رہتی بنی
نہ رفتار میں رہنے پاتی تھی آڑ — نہ آتے تھے خاطر میں جنگل پہاڑ
اگر آگئی راجگر ہا پسند — بنوں اور پہاڑوں کے ہیں پابند
خلائق کی جانب کیا جب خرام — جو جا جا کریں بستیوں میں قیام
لبھانے لگا آپ کو وہ دیار — جسے آج کہتے ہیں قصبہ بہار
ہمارا شہنشاہ اور دستگیر — منیر منور کا شمس منیر
لقب عام جس کا ہے شرفا بہار — ہم ایسے ہوں جس پر ہزاروں نثار
یہیں مسقط الراس کرنے لگا — سواد اس جہاں کا سنورنے لگا
دو قطبوں کے ناموں کو ہوتی چمک — تو دہلی کے قبوں کو ملتی دمک
جو پرتو میں آتا ہے پاتا کمال — ہوئے یاں سے نامی بخاری جلال
شعاعوں سے ناگور تپنے لگا — نگینہ ادھر کا تڑپنے لگا
دمشقی ادھر ہوگئے سرفراز — ادھر بلخ کو آپ ہوتا ہے ناز
کہ اوسکا جہاندار فرماں روا — ہے فردوسیہ نورتن کا گدا
ملی معرفت کی جسے وہ جلن — نکھرنے لگا ایک جہاں میں چلن
اگر تاج سونے کا پکھلا پڑا — ملا بادشاہوں سے درجہ بڑا
کبھی جان لینے کبھی اسکو تن — تھے صحبت میں اک دوسرے کی مگن
نہ جائیں گے بھولے یہ مردان حق — پہاڑ اور زمین گرچہ ہو جائیں شق

گھڑیاں تواریخ کی روشنی میں

گھڑیوں کا ذکر آتے ہی فوراً یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ جب گھڑیاں نہ تھیں تو وقت کا تعین کس طرح عمل میں آتا تھا۔

جواب:۔ گھڑیوں کی پیدائش سے پہلے وقت کی تقسیم اجرام سماوی اور سایہ کو دیکھکر ہوتی تھی، دن میں درختوں کے سایہ سے، اور رات کو سیاروں کی رفتار سے کب تک وقت کا تعین اس طرح ہوتا رہا اس کا جواب صحیح صحیح دینا ممکن نہیں۔

۲۴۲ سنہ قبل مسیح سرزمین کلدانیہ میں باضابطہ ایک دھوپ گھڑی ایجاد ہوئی۔ اور وہاں سے یونان پہنچی۔ یونانیوں نے اس میں خوب تفنن سے کام لیا۔ بڑی سے بڑی اتنی بڑی بنائی گئی کہ اہرام مصری بھی اسی میں داخل ہیں، جنکے سایہ سے تعین وقت ہوا کرتی تھی اور چھوٹی سے چھوٹی اتنی چھوٹی بنائی گئیں کہ انگوٹھی کا نگینہ بن گئیں۔

۲۴۵ سنہ قبل مسیح مصر کے ایک حجام نے پانی کی گھڑی ایجاد کی اس میں ایک یا ایک سے زائد پہیے لگائے گئے جو پانی کے دباؤ سے

گھومتے تھے اور ایک پہیہ میں سوئی لگا دی گئی تھی۔ جو پہیہ کے ساتھ ساتھ آہستہ گھومتی تھی اور وقت بتاتی تھی۔ اسکے بعد جب حکیم افلاطوں یونانی مصر آیا تو یہاں سے پانی کی گھڑی اپنے ساتھ یونان لے گیا اور وہاں جاکر خود اپنے ہاتھ سے ایسی گھڑی تیار کی جس میں ہر گھنٹہ ختم ہونے پر ستار بجتا تھا۔

۱۵۸ء قبل مسیح روما میں اس گھڑی کا رواج ہوا جو نہایت خوبصورت موتیوں سے جڑ کر تیار ہوئی اور بوقت جنگ مصرف لیجاتی۔ جولیس قیصر نے لکھا ہے کہ ۵۵ سال قبل مسیح انگلستان میں بھی ایسی گھڑیاں تاجروں کے ذریعہ پہنچگئی تھیں۔

۸۰۷ء میں خلیفہ ہارون الرشید نے ایک گھڑی فرانس کے بادشاہ شارلمان کے پاس بھیجی تھی جو بہت مشہور تاریخی گھڑی خیال کیجاتی ہے یہ گھڑی عرب صناعی کا بہترین نمونہ تھی اسکو دیکھکر لوگ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اہل عرب نے گھڑی سازی کے فن میں بڑی محنت و ذہانت سے کام لیا ہے۔ یہ بھی پانی کی گھڑی تھی جو تانبہ کی بنی ہوئی تھی، جس پر طلا کا کام کیا ہوا تھا اس میں بارہ چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں جن میں سے چھوٹے چھوٹے معدنی گیند گر گر کر گھنٹہ بجاتے تھے۔ جب اسکی بکل کھڑکیاں کھلجاتی تھیں

تو اسمیں سوار نکلتے تھے اور چاروں طرف چکر لگا کر پھر اندر داخل ہوجاتے تھے اور کھڑکیاں بند ہوجاتی تھیں۔

پانی کی گھڑی کے بعد ریت کی گھڑی ایجاد ہوئی، یعنی بجائے پانی کے ریت بھر دیجاتی تھی، جو گر گر کر وقت بتاتی، کہتے ہیں دو سو سال قبل مسیح موعود، پہیہ والی گھڑی ایجاد ہو چکی تھی، مگر بعض کا خیال ہے کہ سنہ ۵۱۰ء میں ایک بیتھوس نامی شخص نے ایجاد کی اور بعضوں کا خیال ہے کہ سنہ ۸۵۰ء میں ایک راہب باسیویکس نے ایجاد کیا واللہ عالم۔

تیرہویں صدی عیسوی تک اس صنعت میں کافی ترقی ہوگئی اہل عرب نے بعض ایسی گھڑیاں طیار کر کے خلفائے مصر کے سامنے پیش کیں جو نہایت مکمل تھیں، یہ گھڑیاں جب اطالیہ پہونچیں تو وہاں اس کا خوب رواج ہوا، اور اسکی تتبع انگلستان نے بھی کی۔

سنہ ۱۲۹۰ء میں موجودہ ساخت کی جیبی بیضادی شکل کی گھڑی ایجاد ہوئی، جسمیں صرف ایک سوئی ہوتی۔ یہی دن میں دو تین مرتبہ گردش کر کے وقت بتاتی اور چونکہ یہ بہت وزنی ہوتی تھی اسلئے موٹی زنجیروں میں باندھ کر گردن میں لٹکاتے تھے اور یہ گھڑیاں

بہت قیمتی ہونیکی وجہ کر صرف بادشاہوں کے حصہ میں آتی تھیں۔
۱۶۵۷ء میں عربوں نے پنڈولم اور رقاص ایجاد کیا مگر اہل فرنگ نے
اسکو خوب ترقی دیا چنانچہ ۱۸۸۸ء میں نیویارک امریکہ کے
ایک شخص نے دو ہزار پہیوں والی گھڑی بنائی، جسکی لمبائی ۱۰ فیٹ
چوڑائی ۸ فیٹ اور موٹائی ۵ فیٹ تھی۔ اس کے اوپر واسنگٹن کا
مجسمہ بنایا اور بہتیرے دوسرے مجسمے بھی بنائے، جو گردش شمس و قمر
اور بہتیری کام کی باتیں بتاتے۔ سترہوی صدی کے آخر میں کمانی بھی ایجاد
ہوگئی تھی اوسی کے بعد سے زیادہ مکمل گھڑیاں بننے لگیں (ماخوذ)
چنانچہ آجکل کی مکمل ترین اور خوبصورت ترین یعنی دیوار پر ٹانگنے کی
گھڑی۔ ٹیبل پر سجانیکی گھڑی، جیب میں رکھنے اور کلائی پر باندھنے
کی گھڑی ایک سے ایک اعلےٰ اور ایک سے ایک افضل سونے کے
کیس میں چاندی کے کیس میں، پیتل اور نکل کی کرومیم اور رولڈ گولڈ
ساخت کی بڑی اور چھوٹی سستی اور مہنگی، اعلے سے اعلیٰ اور ادنی سے ادنیٰ
کیسی کیسی جدتیں اس فن میں کی گئی ہیں انکا مکمل نمونہ دیکھنا ہو تو

رشید اینڈ کمپنی اوپٹیشین اینڈ واچ ڈیلرس

کی دوکان پر تشریف لائیے، جی خوش ہو جائے گا، اگر کوئی گھڑی

پسند آگئی تو آپ کو اوسی گھڑی کے لینے کا مشورہ دیا جائیگا جو سالہا سال کی آزمودہ ہیں، کم سے کم دام پر اچھی سے اچھی چیز خریدیئے اور فائدہ اٹھائیے، ہمارے یہاں مرمت کا سامان بھی نہایت معقول ہے، ویسٹ اینڈ واچ۔ اومیگا۔ زینتھ۔ ملٹن اور ہر کارخانہ کی گھڑیاں بڑے ہوشیاری سے مرمت کیجاتی ہیں۔ ان کاموں کے لئے ہمارے یہاں تجربہ کار مستری اور کاریگر ملازم ہیں، علاوہ اس کے کلکتہ کے بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات ہیں جہاں سے بہترین گھڑیاں مرمت ہوکر آجاتی ہیں۔ ہر طرح کے ولایتی پرزے اور تیل ہر وقت موجود رہتے ہیں، جن سے مرمت ہوکر یہی گھڑیاں نئی ہوجاتی ہیں۔

جو گھڑیاں مرمت ہوتی ہیں خواہ یہاں سے خریدی جاتی ہیں ان کے ساتھ ایک سال کی چھپی ہوئی گارنٹی دیجاتی ہے، اس درمیان میں جب کبھی شکایت ہو آپ کے تابعدار کاریگر ہر وقت دست بستہ حاضر ہیں، شوق سے تشریف لائیے اور دوبارہ سہ بارہ حسب خواہ کام بنوا کر لیجائیے۔

یہ عرض کر دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ بعض لوگ دس سال کی اشتہاری گارنٹی کے ایسے والا اور شیدا ہوتے ہیں کہ ایک

برس کی گارنٹی کو خاطر میں نہیں لاتے وہ تو ایسی ہی گارنٹی طلب کرتے ہیں کہ گھڑی صرف دو روپے کی ہو مگر گارنٹی دس سال کی، وہ دس سال کی گارنٹی کس مصرف کی جس سے ایک بار بھی آپ فائدہ نہیں اٹھا سکتے، دس سال کا پُرفریب جملہ تو آپکو پھنسانے کیلئے لکھدیا گیا ہے اور بس، ہملوگ ایک سال کی گارنٹی دیتے ہیں اور یہ بھی کم نہیں ہے اسلئے کہ جب آپکی گھڑی ایک سال تک چل جائیگی تو آیندہ بھی اچھی طرح چلتی رہے گی علاوہ اس کے ہر سال گھڑی کا صاف کروا دینا بھی نہایت ضروری ہے، اول تو تیل اکثر خشک ہو جاتا ہے۔ دوسرے میل کچیل کے ساتھ چلتی رہنے سے پرزوں پر گھساؤ کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ جس سے گھڑی کی زندگی کم ہو جاتی ہے

چشمہ کی ایجاد

جس طرح پر سائنٹفکٹ تجربات کے وقت ریڈیم اور دوسری کار آمد اشیاء محض اتفاقی طور پر عالم شہود میں آگئیں۔ اسی طرح سے گلاس یا شیشہ کی یہ خاصیت بھی ظاہر ہو گئی کہ محدب یا مجوف گلاس نظر کے نقائص پر کیا اثر ڈالتے ہیں۔ اور جب یہ اتفاقی طور پر ظاہر ہو گیا تو سائنٹفکٹ طور پر بہتیرے تجربات کر کے ایک لنس تیار کیا گیا، جسکو آنکھوں کے سامنے رکھنے سے نظر کے بہتیرے عیوب دور

ہونے لگے، اسی کو ترقی دے کر آنکھوں کے سامنے رکھنے کا ایک آلہ بنایا گیا، جس کا نام فارسی لفظ چشم سے چشمہ اور عربی لفظ عین سے عینک پڑا، کوئی اسکو چشمہ کہتا ہے کوئی عینک پکارتا ہے، چشمہ کی ضرورت کیا ہے، اس کے متعلق اپنے رسالہ "آنکھوں کا نور" مطبوعہ اُردو ہندی میں مفصل بحث کر چکا ہوں، یہاں پر مختصراً التماس ہے کہ آنکھوں کے نور میں جو فرق آجاتا ہے اس کی اصل دو صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ آنکھوں کی بناوٹ میں قدرتی نقص کا پایا جانا جو اکثر پیدائشی ہوتا ہے اور بعض دفعہ کسی مرض کے سبب سے پیدا ہوجاتا ہے ان حالتوں میں کبھی انسان کی آنکھیں خوردبین ہوجاتی ہیں، یعنی بہت نزدیک کی چیزیں تو صاف دکھائی دیتی ہیں مگر دور کی اشیاء یا تو صاف نظر نہیں آتیں یا بالکل دکھائی ہی نہیں دیتیں، یہ مرض چھوٹے سے چھوٹے بچہ کی آنکھوں میں بھی اکثر پایا جاتا ہے اور عموماً ۲۰ برس سے کم عمر والوں کو یہ شکایت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کالج اور اسکول کے پڑھنے والوں کو اکثر چشمہ لگائے ہوئے دیکھتے ہیں اور زیادہ تر جب عمر تیس سال سے اوپر ہو جاتی ہے تو آنکھوں کی صحیح بصارت میں فرق آنا شروع ہو جاتا ہے اور اسکی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اوائل میں دور کی روشنی بالکل درست رہتی ہے

مگر قریب کی اشیاء، خاص کر باریک تحریر کا پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے
مندرجہ بالا ہر دو صورتوں میں چشمہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کے مشورہ سے چشمہ استعمال کیا جائے
تو بہترین ماہرفن کا مشورہ ہمیشہ قابل قدر اور زیادہ تشفی بخش ہوتا ہے
لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ صرف بہترین ماہرفن ہی اس کام کو کر سکتا
ہے اور اگر دوسرے دانست کار سے مشورہ کیا جائے تو وہ ضرور ہے
کہ مضر ہی ثابت ہو۔ ہرگز یہ بات درست نہیں۔ میرے خیال میں
ہر دانست کار کو جس کو مرض کے متعلق پوری واقفیت ہو اور اسباب
امتحان نظر بھی اپنے پاس رکھتا ہو یہ کام تشفی بخش طور پر کر سکتا ہے
لیکن ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی کہہ دوں گا کہ ایسے حضرات جن کی نگاہیں
کمزور ہوں وہ بہترین ماہرفن کی تلاش میں رہیں اگر خوش قسمتی سے
ایسا موقع ہاتھ آجائے تو اپنی آنکھوں کا امتحان ضرور کروالیں اور
جہاں تک جلد ممکن ہو صحیح نمبر کی عینک لگانا شروع کر دیں۔ زیادہ
وقت ضایع نہ کریں ہر مرض کا علاج شروع شروع زیادہ بہتر
ہوتا ہے، زیادہ دیر کرنے سے بصارت زیادہ کمزور ہوتی جاتی ہے
چشمہ بھی موجودہ ترقی یافتہ سائنس کا قابل قدر کرشمہ ہے اس کے
مختلف نمونے دیکھنے ہوں تو رشید اینڈ کمپنی میں جاکر

ہر طرح کے فریم، اعلےٰ درجہ کی تالیں، کمانیاں ملاحظہ کر لیجئے ایک سے ایک دیدہ زیب اور ایک سے ایک راحت رساں،

رشید اینڈ کمپنی معزز ڈاکٹروں کی نظر میں

از قلم خان بہادر جناب ڈاکٹر عبد القیوم صاحب (سول سرجن)

ہم رشید اینڈ کمپنی سے ایک عرصہ سے اچھی طرح واقف ہیں، یہاں کام نہایت اچھا اور ایمانداری سے ہوتا ہے، ہر قسم کے لنس اور فریم یہاں ملتے ہیں۔ اپنے اکثر آنکھوں کے مریض کو چشمہ کا نسخہ لیکر یہاں بھیجا ہے۔ اور کبھی ہمکو شکایت کا موقع نہیں ملا، فیٹنگ اور لنس دونوں ہی اچھے ہوتے ہیں۔ بہار شریف کے لوگوں کو اب اسکی ضرورت باقی نہیں رہی کہ بانکی پور ہی جا کر چشمہ خریدیں۔ قیمت بھی بانکی پور سے ہرگز زیادہ نہیں ہے۔

از قلم جناب ڈاکٹر صلاح الدّین صاحب ام۔بی (اسسٹنٹ سرجن بہار و اڑیسہ)

آجکل آنکھوں کی بیماری بوڑھوں سے لے کر بچوں تک بکثرت پائی

جاتی ہے۔ بہت لوگ ہیں جو طرح طرح کی عینک کا استعمال کرتے ہیں اور بہت ہیں جو باوجود ضرورت عینک کا استعمال نہیں کرتے۔ چونکہ ملک غریب ہے اور بالعموم لوگ لاپرواہیں اس لیئے بعض کم بضاعتی کے سبب ڈاکٹری معائنہ کا مقدور نہیں رکھتے ہیں اور بعض باوجود مقدور رکھنے کے بھی بے سوچے سمجھے کسی جاہل عینک ساز کے ہاتھوں میں پڑکر غلط عینک لے لیتے ہیں۔ مجھ کو چونکہ آنکھونکی بیماریوں سے دلچسپی رہی ہے، اور اپنی سرکاری ملازمت کی وجہ سے آئے دن ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے جو آنکھوں کا کافی خیال نہیں کرنے کی وجہ کر پریشانی میں مبتلا ہوگئے ہیں اسلئے مجھکو **رشید اینڈ کمپنی عینک ساز** بہار شریف کے رسالہ "آنکھوں کا نور" دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی اس رسالہ کو پڑھکر تمام لوگ اپنی ضروریات سے کافی طور پر آگاہ ہوسکتے ہیں گرمیوں کے زمانہ میں گرد وغبار اور گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے رنگین عینکوں کا ذکر جو اس رسالہ میں کیا گیا ہے وہ قابل توجہ ہے۔ موتیابند کے متعلق جو غلط فہمیاں لوگوں میں عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں اور جن کی وجہ سے لوگ عینک پر اپنا روپیہ بے دریغ ضایع کرتے ہیں، اس رسالہ کے پڑھنے سے دور ہوجائیگی۔ اردو میں ایسے رسائل قریب قریب ناپید ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ **رشید اینڈ کمپنی عینک ساز**

نے پبلک کی یہ بہت بڑی بہی خواہی کی کہ ایسا مفید اور جامع رسالہ چھپواکر شایع کیا۔

از قلم جناب ڈاکٹر کیدار ناتھ صاحب ام-بی-بی اس

(سابق سنیر فیزیشن۔ اور لکچرار۔ پٹنہ میڈیکل کالج ہوسپٹل، بانکی پور)

جب سے میں نے اس شہر میں پریکٹس شروع کی تب ہی سے میں رشید اینڈ کمپنی کو جانتا ہوں، اس کے مالک رشید احمد صاحب مستعد اور ایماندار آدمی ہیں۔ اپنے کاموں میں انھوں نے کافی دستگاہ اور تجربہ حاصل کیا ہے میں نے کئی مریضوں کو انکے یہاں چشمہ خریدنے کیلئے بھیجا جو سب کے سب ان سے خوش ہوئے۔ آنکھ جانچنے میں انکو خاص دلچسپی ہے۔ پہلے مجھے امید نہ تھی کہ بہار ایسی چھوٹی جگہ میں آپکے ایسا قابل اور دیانتدار چشمہ ساز موجود ہوگا۔ لیکن جب میں نے آپکی دوکان اور اس کے سامان کو دیکھا۔ ان سے ملا۔ اور انکی چھوٹی سی کتاب "آنکھوں کا نور" کو پڑھا تو مجھے بہت ہی خوشی ہوئی اور ان پر بیحد بھروسہ ہوا، ہندی جاننے والوں کے لئے۔ رسالہ آنکھونکا نور ہندی اڈیشن بہت ہی مفید ہے۔ اسکے پڑھنے کے بعد لوگ اپنے چشمہ کی ضرورت کو کافی طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ اور دھوکھ بازوں سے

بچ سکتے ہیں۔ ہندی بھاشا میں اس طرح کے کتاب کی اشد ضرورت تھی، جس کی کمی رشید اینڈ کمپنی نے پوری کردی۔ مجھے پوری امید ہے کہ لوگ اس سے خاطر خواہ طور پر مستفید ہونگے۔

از قلم جناب ڈاکٹر محمد مسعود الحق صاحب ام۔بی۔بی ایس

(سابق ہوس سرجن آئی (آنکھ) اسپتال پٹنہ دہاوس فزیشن میڈیکل کالج پٹنہ)

مجھکو چونکہ چشمہ کے کام سے خاص دلچسپی ہے اسلئے بہار شریف آتے ہی مجھکو فکر ہوئی کہ یہاں کوئی ایسی مستند چشمہ کی دوکان ہو جہاں چشمہ کا نسخہ صحیح طور پر بن سکے۔ میرے چند احباب نے رشید اینڈ کمپنی کے متعلق ذکر کیا۔ مگر سچ یہ ہے کہ مجھکو کچھ بدگمانی سی تھی اور میں نے قیاس کیا تھا کہ یہ دوکان بھی ایسی طرح کی ہوگی جیسی کہ چشمہ کی عام دوکانیں ہوتی ہیں۔ ایک روز اتفاق سے میں اس دوکان میں پہنچا تو وہاں کے مختلف سامان کو دیکھکر حیرت ہوئی۔ اس دوکان میں ہر طرح کا لنس (چشمہ کی تال) عمدہ سے عمدہ دیکھنے میں آیا۔ مختلف طرح کے فریم جو حال کی ایجاد ہیں اور صرف بڑے بڑے شہروں میں ملتے ہیں، الماریوں میں سجائے ہوئے دیکھا۔ دیواروں پر چند طرح کے ولایتی چارٹ آویزاں دیکھے جس میں آنکھ کی مکمل ساخت اور ان کی اندرونی

وبیرونی تشریح کی گئی ہے۔ بعض چارٹ ایسے ہیں جنکے ذریعہ چشمہ کی غلط فیٹنگ کے نقصانات اور درست فٹینگ کے فوائد کو واضح کیا گیا ہے۔ چند چارٹ ایسے بھی ہیں جن میں موتیا بند کے مختلف اقسام کو اور مرض گلوکوما کی ماہیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ غرض کہ یہاں چشمہ کا سامان بہت کافی ہے۔ بعد کے تجربات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ رشید احمد صاحب مالک رشید اینڈ کمپنی کا ٹسٹ کیا ہوا چشمہ اطمینان بخش ہوتا ہے۔ مزید براں میرے مریضوں کا چشمہ جو انکے یہاں بنا وہ بھی خاطر خواہ ہوا۔ میرے خیال میں اَلسیؔ دُوکان قابل قدر ہے۔

از قلم جناب ڈاکٹر محمد ابوالحسن صاحب

میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ رشید اینڈ کمپنی اپنے یہاں خاصہ اسٹوک چشمہ کا رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں کا چارج نہایت مناسب ہے اور ہر طرح قابل بھروسہ ہیں۔

ازقلم جناب ڈاکٹر سیّد عبد اللطیف صاحب

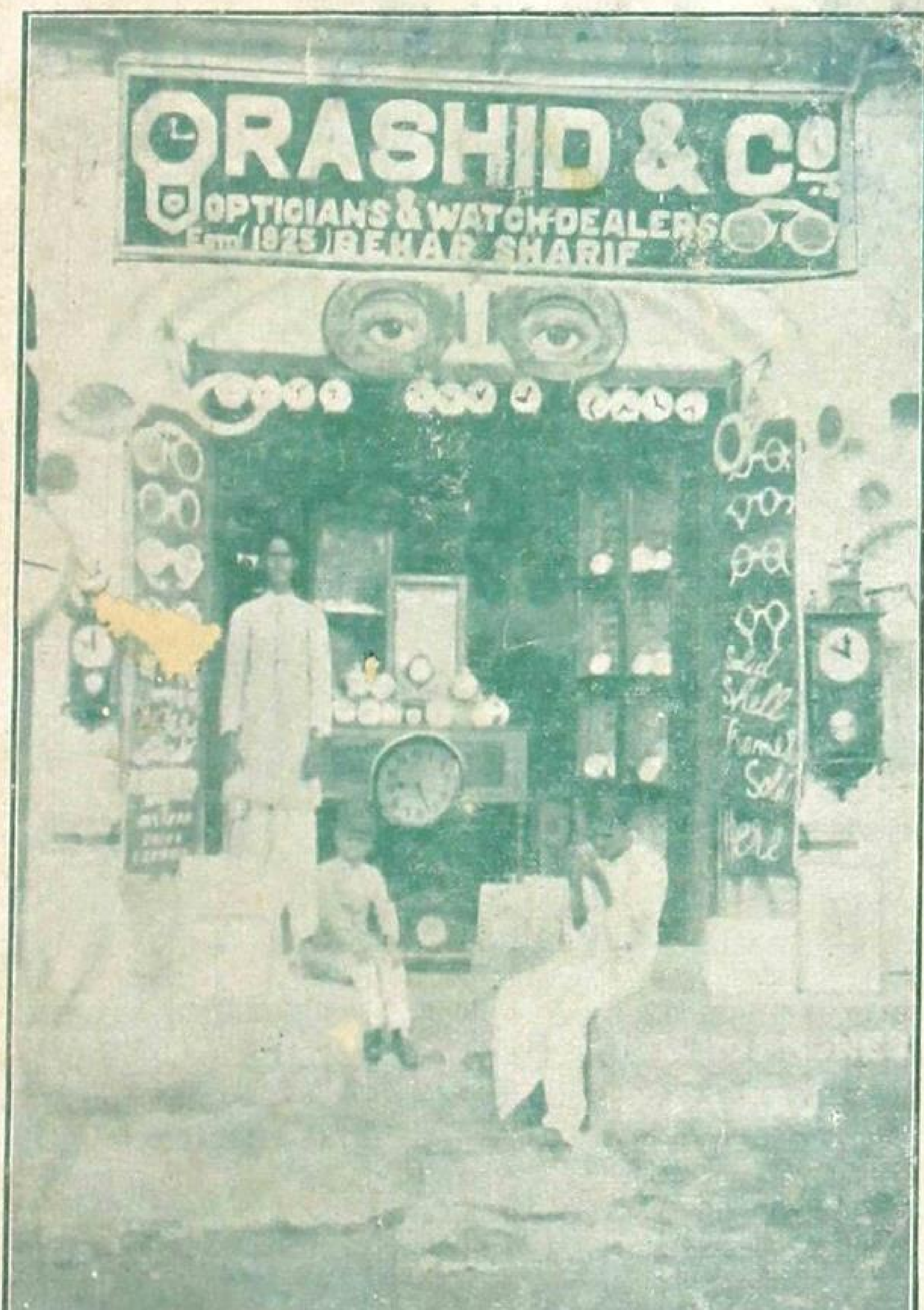
میرے خیال میں یہ شہرت عام جو رشید اینڈ کمپنی کو محض چند برسوں میں حاصل ہوگئی ہے اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ رشید احمد (مالک کارخانہ ہذا) نہایت صفائی اور ایمانداری سے کام کرتے ہیں۔ ہر میل کا چشمہ اپنے کارخانہ میں موجود رکھتے ہیں آنکھ جانچنے میں ان کو خاص دلچسپی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تھوڑے دنوں میں ان کو آنکھ جانچنے کا خاص تجربہ حاصل ہو گیا ہے۔ ہمیشہ انھوں نے ہمارے مریضوں کی خاطر خواہ طور پر تشفی کی ہے۔

ازقلم جناب ڈاکٹر سیّد عزیز الحسن صاحب

میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ رشید احمد آنکھ جانچنے میں کافی تجربہ رکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے اپنے کاروبار میں نہایت ایماندار ہیں میں نے اکثر مریضوں کو چشمہ خریدنے کے لئے اُن کے کارخانہ میں بھیجا وہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رشید اینڈ کمپنی کو قابل اطمینان پایا۔

از قلم جناب ڈاکٹر سید عبدالوہاب صاحب

مجھ کو اس بات کی تصدیق کرنے میں نہایت مسرت ہے کہ رشید احمد پروپرائٹر (رشید اینڈ کمپنی) آنکھ جانچنے میں خاصی مہارت اور پورا تجربہ رکھتے ہیں۔ یہ کاروبار میں نہایت ایماندار ہیں اور اس لئے اپنے روزگار میں قابل بھروسہ ہیں ہمارے مریضوں کی پوری تشفی ان کے یہاں کے چشمہ سے ہوئی ہے


RASHID & Co
OPTICIANS & WATCH-DEALERS
Estd 1925 BEHAR SHARIF